ابتدا تیرے نام سے

قارئینِ کرام!

امید ہے رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے خوب فیض یاب ہو رہے ہوں گے۔ جتنے سخت روزے ہیں، روزہ داروں کے لیے اتنا ہی اجر بھی ہے۔ موسم کی سختی بھی برداشت سے باہر ہو رہی ہے۔ کراچی اور سندھ میں گرمی سے ہونے والی ہلاکتیں ایک ہزار سے زائد ہوگئی ہیں۔ پہلی بار ایسی سنگین صورتحال کا سامنا ہے۔ اگرچہ گزشتہ سالوں کی نسبت اس بار گرمی کا گراف بڑھنے کا کوئی تجزیہ سامنے نہیں آیا۔ لگتا یہ ہے کہ اس شدید موسم کے ساتھ بجلی اور پانی کے شدید بحران کا امتزاج رمضان المبارک میں ان ہلاکتوں کا سبب بنا ہے۔ جبکہ روزے اچانک تو اس موسم میں نہیں آئے۔ اور تو نائی کا بحران بھی کئی سالوں سے درپیش ہے۔ کاش کہ رمضان میں صورتحال کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے قبل از وقت انتظامات کیے جاتے تاکہ اتنی جانیں ضائع ہونے سے بچائی جاسکتیں۔ اور اگلے تین برس بھی روزوں کا یہی موسم رہے گا۔ اگر ہماری حکومت پہلے سے منصوبہ بندی کر کے کم از کم آنے والے سال کا جانی نقصان بچالے تو یہ بھی غنیمت ہے۔

مرے لوگ خیمۂ صبر میں، مرے شہر گردِ ملال میں
ابھی کتنا وقت ہے اے خدا! ان اداسیوں کے زوال میں
یہ ہوائے غم، یہ فضائے نم، مجھے خوف ہے کہ نہ ڈال دے
کوئی پردہ میری نگاہ پر، کوئی رخنہ تیرے خیال میں

پاکستان کی زیادہ تر آبادی موسم اور فطرت کے رحم و کرم پر زندگی گزارتی ہے۔ ہمارے شمالی علاقوں میں شدید سردی پڑتی ہے اور درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے نیچے چلا جاتا ہے۔ گھروں کو گرم رکھنے کا انتظام نہ ہو تو انسانی جانوں کی ہلاکت یقینی ہے۔ وہ تو بھلا ہو قدرتی ذرائع خاص کر وافر لکڑی کا جو ہماری اس غریب آبادی کے لیے زندہ رہنے کا وسیلہ بنی ہوئی ہے۔ ورنہ اگر اسی درجے کی سردی سارے ملک میں پڑے تو سردی سے مرنے والوں کے بھی ڈھیر لگ جائیں۔ گرمی کے معاملے میں بھی اللہ کا کرم ہے۔ یعنی گرمی اتنی ہی پڑتی ہے جتنی مناسب احتیاط کے ساتھ غریب آدمی بھی برداشت کر لے۔ ورنہ دنیا میں ہم سے کہیں زیادہ گرم علاقے ایسے ہیں جہاں نہ صرف انسان رہتے بستے ہیں بلکہ نہایت خوشحال بھی ہیں، وجہ یہ کہ گرمی کا انتظام کرنے کے لیے وہ اپنی توانائی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔ ایک ہم ہیں کہ قابلِ برداشت گرمی کو بھی اپنی بے تدبیری اور بے حسی کے باعث جان کا خطرہ بنا بیٹھے ہیں۔ کیا ستم ہے کہ اس موسم میں روزہ داروں کو پنکھے کی ہوا اور پینے اور نہانے کا پانی بھی میسر نہیں۔

ایم کیو ایم کے بھارتی خفیہ ایجنسی را سے رابطوں کی نئی کہانیاں سامنے آئی ہیں۔ یہ رابطے بھاری رقوم وصول کرنے اور دہشت گردی کی تربیت لینے سے متعلق ہیں۔ اس سے قبل بلاول ہاؤس میں بھتوں کی وصولی کی اطلاعات ملیں۔ کراچی کے حالات کی خرابی میں اے این پی سمیت ان تین جماعتوں کا نام لیا گیا ہے۔ حکومت پاکستان نے برطانوی حکومت سے حالیہ انکشافات کے ثبوت مانگ لیے ہیں۔ امید ہے کہ اب اس معاملے کو انجام تک پہنچائے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا ورنہ یہ الٹا مجرموں کی تقویت کا باعث بنے گا۔ یوں لگتا ہے جیسے فوج نے ملک میں جرائم پیشہ گروہوں اور مافیاؤں

کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے جو سالہا سال سے پاکستانیوں کی زندگیاں اجیرن بنائے ہوئے تھے۔ آج فوج کے ان جرأت مندانہ اقدامات کے باعث آرمی چیف اور فوج کی عوام میں مقبولیت میں بے حد اضافہ ہؤا ہے اور اب ملک میں امن و امان کی تمامتر توقعات فوج سے وابستہ کر لی گئی ہیں۔ ہم دعا گو ہیں کہ پاک فوج اور رینجرز اپنے ان نیک مقاصد میں کامیاب ہوں اور پاکستان، خصوصاً کراچی اور بلوچستان کی رونقیں بحال کر سکیں امین۔

بتول میں ایک کالم خفتگانِ خاک شائع کیا جاتا ہے جو دنیا سے چلے جانے والوں کے تذکرے پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ ایک خالصتاً ادبی تحریر کا کالم ہے، یہ سرکاری انداز کے کسی خراجِ تحسین کی کارروائی کا حصہ نہیں ہے۔ نہ ہی یہ ایک شخصیت کے پروفائل اور حالاتِ زندگی پر مبنی ہوتا ہے۔ نہ ہی یہ جانے والی ہستی کی پسند ناپسند یا مشاغل پر معلومات کی دستاویز ہوتی ہے۔ اس کا مقصد مرنے والی ہستی کی خوبیوں یا نیکیوں کی فہرست بنانا بھی نہیں ہوتا۔ نیکیوں کی فہرست بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ہمارا مقصد جانے والے کو اس طرح یاد کرنا ہے کہ تحریر ایک ادب پارہ بن جائے۔ ادب اپنے جذبات کو سلیقہ اظہار دینے کا نام ہے، اس طرح کہ پڑھنے والے بھی جو اس ہستی کو بالکل نہیں جانتے، تاثر قبول کریں۔ غم جاں کو غمِ جہاں بنا دینا، اپنا کتھارسس کرنا، عصری شعور جھلکنا، یہ سب ایک ادبی تحریر کی خوبیاں ہیں۔ کسی معروف شخصیت کے بارے میں لکھ رہے ہیں تو مرنے والی ہستی کے قد و قامت کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے کہ لوگ ان کے بارے میں کیا جاننا چاہتے ہیں، اس کا ذہانت کے ساتھ اندازہ لگایا جائے۔

اس کالم کے تحت ہمیں بہت سی تحریریں موصول ہوتی ہیں۔ جانے والوں کے ساتھ ہماری بے حد جذباتی وابستگی ہوتی ہے خصوصاً جب وہ قریبی عزیز ہوں۔ عموماً لکھنے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ مرنے والے کو انتہائی نیک ثابت کریں اور دنیا میں بے شک انہوں نے اللہ کی خاطر بے حد چھپا کر نیکیاں کی ہوں مگر ہم ان کے (تقریباً) تمام اچھے اعمال کی فہرست بنا کر لوگوں کے سامنے لے آئیں۔ جانے والے تو چلے گئے، اب اس عمل سے محض ہماری نفسی تسکین ہو رہی ہوتی ہے کہ ہماری یہ عزیز ہستی کس قدر نیک اور اللہ کی پیاری تھی۔ اس انداز سے گریز کرنا بہتر ہے۔ اکثر مضامین ایسے ہوتے ہیں جن میں مرنے والے کی وہ خوبیاں بیان کی گئی ہوتی ہیں جو ابھی ہمارے معاشرے خصوصاً بزرگ نسل میں الحمدللہ کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ان کو بیان کرنے میں کوئی انوکھی بات نہیں ہوتی لیکن ہم اس ہستی سے اپنی محبت میں اس بات کو محسوس نہیں کرتے۔ والدین پر لکھی گئی تحریروں میں اکثر یہ لکھا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد کی بہت اچھی تربیت کی۔ یہ خود ستائی ہے، اور اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ انہیں اپنی اولاد سے بے حد محبت تھی، جبکہ سب والدین ہی اپنی اولاد سے بے حد محبت کرتے ہیں، اس میں بتانے والی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر آپ کا انداز ایسا ہے کہ عام سی بات کو بھی خاص بنا دے تو بات بنتی ہے۔ بعض مضامین کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے محض جانے والوں کو یاد کرنے کا بہانہ ہے یا ان کی محبت کا قرض اتارنے کی ایک اپنی سی کوشش ہے۔ یہ کام ان کے لیے دعائیں کر کے یا ان کے نام پر صدقہ کر کے بھی کیا جا سکتا ہے۔ تحریر کا اپنے قاری سے connect کرنا بہت ضروری ہے۔ ازدل خیزد بر دل ریزد والی بات نہ ہو تو آپ کا لکھنا، ہمارا شائع کرنا اور پڑھنے والوں کا پڑھنا ضائع جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس عنوان سے لکھی گئی بہت سی تحریریں ہمیں مسترد کرنی پڑتی ہیں جس کا ہمیں بھی افسوس ہوتا ہے کیونکہ کسی غمزدہ کی آس ٹوٹتی ہے۔ امید ہے کہ ہمارے معزز لکھنے والے آئندہ ان باتوں کا خیال رکھیں گے۔

عید مبارک کے ساتھ یہ درخواست بھی کہ بتول اور اہلِ بتول کو اپنی عشرہ اخیرہ کی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

صائمہ اسما

حمیرا خالد

قیام اللیل

کتنے خوبصورت ہوتے ہیں وہ لمحات جب انسان دن بھر کی محنت، مشقت کے بعد اپنی ذات کے ساتھ پرسکون وقت گزارتا ہے اور یہ رات کی وہ گھڑیاں ہوتی ہیں جب اللہ رب العالمین آسمان دنیا سے اپنے بندوں سے متوجہ ہوتا ہے اور یہی وقت اللہ کا قرب چاہنے والے بندے طلب مغفرت اور استغفار کیلئے وقف کر دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ فرض نمازوں کا درجہ سب سے بلند ہے لیکن نوافل میں سب سے اعلیٰ مقام نماز تہجد کا ہے۔ جنت کا اعلیٰ ترین درجہ مقامِ محمود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز تہجد کی وجہ سے حاصل ہوگا۔

رحمٰن کے خاص بندے جو رحمانیت کے حقدار ہوں گے ان کی صفات سورۂ فرقان میں بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ وہ نماز تہجد کے طویل سجدوں اور طویل قیام میں عذاب جہنم سے پناہ مانگتے ہیں۔

سورۂ السجدہ (۱۵ تا ۱۶) میں بتایا کہ اہل ایمان کے پہلو رات کو بستروں سے الگ رہتے ہیں۔ اور وہ خوف اور طمع کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ سورۂ الذاریات (۱۷) اس سورہ میں تہجد گزاروں کی نماز تہجد میں استغفار کی وجہ سے جنت کے باغات چشموں اور انعامات الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

نماز تہجد میں اللہ کی یاد (ذکر) سے اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عنبہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ بندے سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری حصے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر تم سے ہو سکے کہ ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو (اس مبارک رقت) میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو ضرور ہو جانا۔'' (ترمذی کتاب الدعوات)

ایک حدیث قدسی کی روشنی میں تہجد کے وقت تین اہم کام کرنے کی رہنمائی ملتی ہے۔ فرمایا گیا رب تبارک تعالیٰ ہر رات کو قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ ''کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اسے عطا کر دوں، کون ہے جو مجھ سے بخشش اور مغفرت طلب کرے میں اسے بخش دوں۔ (صحیح مسلم کتاب المسافرین)

معلوم ہوا کہ یہ وقت دراصل دعا، سوال اور طلب مغفرت کیلئے نہایت سازگار ہے اصل میں مومن کی عزت اللہ تعالیٰ کی بے ریا عبادت کرنے میں پوشیدہ ہے کہ جب وہ دنیا سے بے نیاز ہو کر مالک حقیقی کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرو العاص فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جس شخص نے دس آیات کے ساتھ قیام اللیل کیا اس کا نام (غافلین) میں نہیں لکھا جاتا جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا اس کا نام قانتین یعنی فرمانبرداروں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جو شخص ایک ہزار آیات کے ساتھ قیام کرتا ہے اس کا نام مقنطرین یعنی ثواب کے خزانے جمع کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد حدیث ۱۳۹۸)

رسولؐ اللہ نماز تہجد میں سجدوں کی طوالت پچاس آیات کی تلاوت کے برابر کیا کرتے تھے (صحیح مسلم ۱۰۷۴) قیام اللیل میں آپؐ ان تسبیحات کا عموماً اہتمام کیا کرتے۔

سبحان ربی الاعلیٰ، سبوح قدوس رب الملائکة والروح.

قرآن وسنت سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تہجد ان اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے۔

☆ طویل قیام، طویل سجدے (سجدوں میں مسنون دعائیں اور تسبیحات)

☆ رکوع وسجود میں استغفار (احساس ندامت کے ساتھ)، تسبیحات۔

☆ عذاب جہنم سے بچنے کی دعائیں (استعاذہ)

☆ قرآن میں غور وفکر (تفقہ)

☆ دعا خوف وطمع کے جذبات کے ساتھ۔

نماز تہجد کی دو خصوصیات بہت اہم ہیں ایک اس سے نفس پر قابو حاصل ہوتا ہے دوسرے تفکر قرآن نصیب ہوتا ہے کیونکہ فہم قرآن کے لئے اس سے بہتر اور سازگار ماحول نہیں مل سکتا۔

نماز تہجد کا اہتمام کرنے والے مغرور و متکبر نہیں ہوتے۔ وہ اللہ کے عاجز بندے ہوتے ہیں۔ دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ صرف بدنی عبادت کو ہی نہیں مالی ایثار کو بھی تقرب الٰہی کا ذریعہ جانتے ہیں۔ ان کی زندگی تشکر اور عبودیت کا مظہر ہوتی ہے۔

سورۂ الزاریات میں جنت کے مستحق بننے کیلئے تین طرح کے اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔

1۔ راتوں کو کم سونا، یعنی نماز تہجد کا اہتمام کرنا۔

2۔ تہجد کے وقت میں استغفار کا اہتمام کرنا۔

3۔ سائلین اور محرومین کے لئے دل کھول کر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

نماز تہجد کے مسائل

رسول اللہ نے نماز تہجد انفرادی طور پر بھی ادا کی ہے اور باجماعت بھی۔

آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عباس کے ساتھ باجماعت قیام اللیل کیا۔ (صحیح بخاری 859)

رسول اللہ نے رمضان میں قیام اللیل کی جماعت کرائی۔ (صحیح بخاری 1,129)

متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز تہجد کا باجماعت ادا کرنا بدعت نہیں اور ریاکاری بھی نہیں ہے۔ انفرادی طور پر پڑھنا بہتر ہے لیکن کسی دینی مصلحت اور تربیت کے پیش نظر باجماعت نماز تہجد کے اہتمام میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

تہجد کا وقت عشاء کے بعد فجر تک ہے۔ (صحیح مسلم 736) لیکن آخر شب افضل ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ''ہم رات کے جس حصے میں چاہتے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ لیتے۔'' (صحیح بخاری کتاب التہجد)

نماز تہجد کا آغاز پہلی دو ہلکی رکعتوں سے کیا جائے بعد میں طویل قیام کا اہتمام کرے۔ (صحیح مسلم صلاۃ المسافرین)

جب نیند کا غلبہ ہو تو نماز ختم کر کے سو جانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے اور قرآن اس سے صحیح نہ پڑھا جا رہا ہو تو اسے سو جانا چاہیے (صحیح مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنے معمولات میں اپنی ذہنی اور جسمانی کیفیت کے مطابق ردوبدل کر سکتا ہے۔ بعض اوقات سنت کو ترک کر دینا بھی سنت ہوتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد کبھی تکلیف یا درد وغیرہ کی وجہ سے اگر فوت ہو جاتی آپ دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے۔ (صحیح مسلم 738)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز اور طلوع فجر کے درمیان گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتے۔ (صحیح مسلم کتاب صلاۃ المسافرین)

تہجد چونکہ نفل نماز ہے اس لئے قرآن سے دیکھ کر بھی تلاوت کی جا سکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ کو ان کا غلام ذکوان مصحف سے دیکھ کر قرآن سناتا اور امامت کرتا (صحیح بخاری کتاب الاذان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکوع و سجود میں تلاوت قرآن سے منع کیا ہے۔ رکوع میں اللہ کی عظمت کا اظہار کا حکم دیا ہے لیکن سجدوں کے بارے میں فرمایا کہ ہاں سجدوں میں دعا کی کوشش کرو تم لوگوں کی دعاؤں کی قبولیت کا حقیقی امکان ہے۔ (صحیح بخاری 1,123)

سورۂ المزمّل میں قیام اللیل میں تخفیف کرنے کا حکم بھی ملتا ہے۔ ''اب جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو'' یہ تخفیف تین وجوہات کی بنا پر ہو سکتی ہے۔

☆ مریضوں کی جسمانی حالت کی وجہ سے رعایت ہے۔

☆ رزق حلال کی تلاش کرنے والوں کی رعایت کی گئی۔

☆ مجاہدین کی جہادی مصروفیات کی رعایت کی گئی اس سے معلوم ہوا کہ مومن اپنے نفلی معاملات میں حالات کے مطابق ردوبدل کر سکتا ہے۔

قائد عام آدمی نہیں ہوتا اس کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کے اوصاف بھی مختلف سطح کے ہونے چاہئیں۔ اسلامی قیادت کا نصاب مسلمانوں کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی زندگیوں سے ملتا ہے۔ نماز تہجد ایک علمی اور روحانی تربیت گاہ ہے اور اسلامی تحریک کے کارکنوں اور بالخصوص قیادت میں سحر خیزی کی عادت کا پایا جانا ضروری ہے۔

(ماخذ: نماز تہجد خلیل الرحمٰن چشتی)

برکاتِ رمضان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا تم پر رمضان کا مبارک مہینہ آیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تم پر روزے فرض کئے ہیں۔ اس میں آسمان (یعنی جنت) کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی طرف سے ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ جو اس رات کی بھلائی سے محروم رہا بس محروم ہی رہ گیا۔ (احمد، نسائی)

برکت کا مفہوم

برکت کے اصل معنی افزائش کے ہیں۔ رمضان کے مہینے کو مبارک مہینہ کہا گیا ہے کہ اس کے اندر بھلائیاں نشوونما پاتی ہیں اور نیکیوں کو افزونی نصیب ہوتی ہے۔ اس کے برعکس برائیاں بڑھنے کے بجائے سکڑتی چلی جاتی ہیں اور ان کی ترقی رک جاتی ہے۔ ماہ رمضان کے بزرگ بابرکت ہونے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ اس کے دنوں، گھنٹوں یا منٹوں میں فی نفسہ کوئی ایسی برکت شامل ہے جو لوگوں کو خود بخود حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایسا موقع پیدا کر دیتا ہے۔ جن کی بدولت تم اس کی بے حد وحساب برکات سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس مہینے میں ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی جتنی زیادہ عبادت کرے گا اور نیکیوں کے جتنے زیادہ کام کرے گا۔ وہ سب زیادہ سے زیادہ روحانی ترقی کا وسیلہ بنیں گے۔ اس مہینے کے بزرگ اور بابرکت ہونے کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ اس کے اندر تمہارے لیے برکتیں سمیٹنے کے بے شمار مواقع فراہم کر دیئے گئے ہیں۔

رمضان میں فیاضی

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ کا طریقہ یہ تھا کہ جب رمضان آتا تھا تو آپؐ ہر اسیر کو رہا کر دیتے تھے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ دیتے تھے۔ (بیہقی)

رسولؐ اللہ کی شفقت، رحم دلی، نرمی، عطا، بخشش اور فیاضی کا جو حال عام دنوں میں تھا وہ تھا ہی، کہ یہ چیزیں آپؐ کے اخلاق کریمانہ کا حصہ تھیں، لیکن رمضان المبارک میں خاص طور پر ان میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں چونکہ آپؐ معمول میں کہیں زیادہ گہرائی سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور اللہ کے ساتھ آپؐ کی محبت میں شدت آجاتی تھی، آپؐ کی نیکیاں بھی عام دنوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ بڑھ جاتی تھیں۔ جیسا کہ خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ عام دنوں میں فرض ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ وہ رمضان میں نفل ادا کرنے پر ملتا ہے۔ آپؐ کے رمضان کے زمانے میں کی دو چیزیں بیان کی گئی ہیں یعنی اسیروں کو رہا کرنا اور مانگنے والوں کو دینا۔

رسول ﷺ اللہ کے اس عمل کے بارے میں کہ آپؐ رمضان میں ہر قیدی کو رہا کر دیتے تھے، محدثین کے درمیان بحثیں پیدا ہوئی ہیں۔ مثلاً ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جرم کی پاداش میں قید ہو تو اس کی محض رمضان کے مہینے کی وجہ سے رہا کر دینا یا سزا نہ دینا کسی طرح انصاف کے تقاضوں کے مطابق ہو سکتا ہے؟ اس بنا پر اس قول کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔ بعض محدثین کے نزدیک اس سے مراد جنگی قیدی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اپنے ذمے کا قرض ادا نہ کر سکنے کی وجہ سے ماخوذ ہوں۔

نبی ﷺ ان کی طرف سے ان کا قرض ادا کر کے ان کو آزاد کر دیتے تھے۔ اس طرح کی بعض دوسری توجیہات بھی اس قول سے متعلق کی گئی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس کی ایک اور شکل بھی ہو سکتی ہے مثلاً آج کل کے زمانے میں ایک طریقہ پیرول پر رہا کرنے کا ہے، یعنی قیدی کو قول لے کر رہا کر دینا۔ قیدی کو اس امید پر رہا کر دیا جاتا ہے کہ وہ رہائی کی مدت ختم ہونے کے بعد خود واپس آجائے گا۔ وہ معاشرہ ایسا تھا

کہ اس میں اس بات کا اندیشہ نہیں تھا کہ جس قیدی کو رہا کیا جا رہا ہے، وہ یہ خیال کرے کہ اب مجھے کون پکڑتا ہے، نہ اس بات کی فکر تھی کہ کسی ایسی جگہ فرار ہو جائے گا، جہاں سے اس کو پکڑنا ممکن نہ رہے گا۔ وہ تو ایسے لوگ تھے کہ اگر ان سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تھا تو خود آ کر اس کا اعتراف کرتے تھے تاکہ ان کو سزا دے کر پاک کر دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ نبیؐ کے مذکورہ عمل کی یہ شکل رہی ہو کہ حضورؐ ایسے لوگوں کو، جن کی سزا معاف نہ ہوسکتی تھی، رمضان کا مبارک زمانہ اپنے گھروں میں گزاریں۔ واللہ علم بالصواب۔

روزہ اور قرآن

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: روزہ اور قرآن بندے کی شفاعت کرتے ہیں۔ روزہ کہتا ہے کہ اے رب! میں نے اس کو دن بھر کھانے (پینے) اور شہوات سے روکے رکھا، تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما، اور قرآن کہتا ہے کہ (اے رب!) میں نے اسے رات کو سونے سے روکے رکھا، تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما، پس دونوں کی شفاعت قبول فرما لی جائے گی۔ (بیہقی)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزہ اور قرآن کوئی جان دار ہیں، جو کھڑے ہو کر یہ بات کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک روزہ دار کا روزہ رکھنا قرآن پڑھنے والے کا قرآن پڑھنا دراصل خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے۔ جب روزہ دار اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ اس بندے نے روزہ رکھا تو اس پیشی کے ساتھ ساتھ روزے کی یہ شفاعت بھی موجود ہوتی ہے کہ یہ بندہ آپ کی خاطر دن بھر بھوکا پیاسا رہا۔ یہ چھپ کر کھا پی سکتا تھا اور دوسری خواہشات بھی پوری کر سکتا تھا لیکن اس سے ایسا نہیں کیا۔ اس بندے نے چونکہ آپ کی خاطر دن بھر بھوک پیاس برداشت کی ہے اور اپنی دوسری خواہشات پر بھی پابندیاں عائد کئے رکھی ہیں، اس کے قصور معاف فرما دیجئے۔

اسی طرح ایک شخص رات کو جو قرآن مجید پڑھتا ہے، جب وہ قرآن اللہ کے حضور پیش کیا جاتا ہے کہ آج اس بندے نے اتنا قرآن پڑھا ہے تو اس قرآن کا وہ پیش کیا جانا ہی خود اپنے اندر ایک شفاعت رکھتا ہے، اور وہ شفاعت یہ ہے کہ اس بندے نے دن بھر کے روزے سے تھکا ماندہ ہونے کے باوجود آپ کی رضا جوئی کی خاطر رات کو (نماز میں) کھڑے ہو کر قرآن پڑھا، اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔

نبی ﷺ کریم نے فرمایا: اور یہ وہ مہینہ ہے جس کے آغاز میں رحمت ہے، وسط میں مغفرت ہے اور آخر میں دوزخ سے رہائی ہے'' (البیہقی)۔ گویا ادھر اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں ادھر اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ اس طرح جب آپ رمضان کے آخر تک پہنچتے ہیں تو ادھر آپ آخری روزہ رکھتے ہیں، ادھر آپ کو دوزخ کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔

امت کی مغفرت

ایک مقام پر حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: ''رمضان کی آخری رات میں میری امت کی مغفرت ہو جاتی ہے۔'' امت کی مغفرت ہو جانے کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کی مغفرت ہو جاتی ہے جو نہ روزے رکھیں اور نہ دوسرے احکام کی پیروی کریں بلکہ یہ مغفرت امت کے ان لوگوں کی ہوتی ہے جو روزے رکھتے ہیں اور احکام خداوندی کی پیروی کرتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ بات قابل تصور ہی نہ تھی کہ کوئی شخص رسولؐ اللہ کی امت میں بھی ہو اور پھر روزہ نہ رکھے۔ اس وقت پوری کی پوری امت روزہ رکھتی تھی۔ رمضان کا سارا زمانہ خدا کی عبادت میں گزارتی تھی۔ ہر طرح کی برائیوں سے بچتی تھی اور عام دنوں سے بڑھ کر نیکیاں کرتی تھی۔ اس لیے یہاں اس امت کی مغفرت کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ اس سے مراد وہ لوگ کیسے ہو سکتے ہیں کہ جب رمضان آتا ہے تو ان کی بے راہ روی اور سرکشی میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ روزہ رکھنا تو ایک طرف رہا الٹا برسر عام بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں۔ رمضان کی آخری رات کو ایسے لوگوں کی مغفرت ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے بلکہ اس رات شاید ان کے خلاف مقدمہ فوج داری (Prosecution) مکمل ہو جاتا ہوگا۔

قیام اللیل اور تراویح

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے مسجد میں کھجور کے پتوں کی چٹائی سے ایک حجرہ بنوایا۔ کئی راتوں تک اس میں نماز پڑھی یہاں تک کہ بہت سے لوگ آپؐ کے پیچھے جمع ہو گئے۔ پھر ایک رات لوگوں نے حضورؐ کی آواز سنی۔ انہوں نے گمان کیا کہ حضورؐ سو گئے ہیں۔ بعض نے کھنکارنا شروع کیا کہ آپ حجرے سے نکل کر ان کی طرف تشریف لے آئیں۔ آنحضورؐ نے باہر آ کر فرمایا: مجھے تمہاری کیفیت معلوم ہے۔ مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ کر دی جائے اور اگر یہ چیز تم پر فرض ہو جاتی تو تم اس کو ادا نہ کر پاتے۔ اے لوگو! اس کو اپنے گھر میں پڑھو۔ آدمی کی بہترین نماز اس کے گھر کی ہے۔ ماسوائے فرض نمازوں کے''۔ (متفق علیہ)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھے تو اپنی نماز میں سے کچھ حصہ گھر کے لیے بھی رکھ لے۔ اس نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس گھر میں بھلائی کر دے گا۔'' (مسلم)

حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسولؐ اللہ کے ساتھ روزہ رکھا۔ آپؐ نے تراویح میں ہمارے ساتھ قیام نہ کیا، یہاں تک کہ صرف سات دن رہ گئے۔ ۲۴ رمضان کی رات کو حضورؐ نے ہمارے ساتھ قیام کیا، یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی۔ جب چھ راتیں باقی رہ گئیں تو آپؐ نے پھر ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ جب پانچ راتیں رہ گئیں تو حضورؐ نے پھر قیام فرمایا یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! کاش آپ اس سے زیادہ قیام فرماتے۔ آپؐ نے فرمایا: آدمی جس وقت امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یہاں تک کہ فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے لیے ساری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے۔ جب چار راتیں باقی رہ گئیں تو آپؐ نے پھر ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ جب تین راتیں باقی رہ گئیں تو آپؐ نے اپنے گھر والوں کو جمع کیا اور اپنی عورتوں اور لوگوں کو بھی جمع کیا اور ہمارے ساتھ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر ہمیں فلاح کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہوا (یعنی سحری کھانے سے رہ جانے کا خوف ہوا) پھر بقیہ راتوں میں قیام نہیں کیا''۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

حضور اکرمؐ نے باقی دن جو تراویح نہیں پڑھائیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تراویح فرض نہیں بلکہ سنت ہے حضورؐ نے لوگوں کو جمع بھی کیا اور نہیں بھی کیا۔ لوگوں کو از خود جمع ہو جانے سے روکا بھی نہیں، تراویح پڑھائی بھی ہیں اور نہیں بھی۔ اس طرح آنحضورؐ نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ فرض، واجب، سنت اور نفل کیا ہیں۔ تراویح نفل ہے جس پر آنحضورؐ نے خود عمل کیا مگر اس کو لازم نہیں کیا۔

معتکف کی نیکیاں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے معتکف (اعتکاف کرنے والا) کے بارے میں فرمایا: اعتکاف کرنے والا چونکہ (اعتکاف کے زمانے میں) گناہوں سے رکا رہتا ہے، اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں جو تمام نیکیوں پر عمل پیرا ہو۔ (ابن ماجہ) اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی وجہ سے رکا ہوا تو گناہوں سے ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا معاملہ اس کے ساتھ یہ ہے کہ اس کے حق میں وہ تمام نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں جو اس دوران میں وہ مسجد سے باہر ہونے کی صورت میں کرتا۔ یعنی یہ بات تو نہیں لکھی جاتی کہ اگر وہ مسجد سے باہر رہتا تو یہ بدی کرتا۔ لیکن یہ لکھا جاتا ہے کہ اگر وہ باہر رہتا تو یہ نیکی کرتا۔

قرآن اور لیلۃ القدر

اس مہینے میں ایک ایسی رات ہے جو ہزاروں راتوں سے زیادہ بہتر ہے۔ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے یعنی وہ رات جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ جیسا کہ خود قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کا نزول انسانیت کے لیے عظیم الشان خیر کی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کے لیے اس سے بڑی کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ ارشاد فرمایا گیا کہ وہ رات جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے، ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ دوسرے لفظوں میں پوری

انسانیت کی تاریخ میں کبھی مہینوں میں بھی انسان کی بھلائی کے لیے وہ کام نہیں ہوا ہے، جو اس ایک رات میں ہوا ہے۔ ہزار مہینوں کے لفظ کو گنے ہوئے ہزار نہ سمجھنا چاہیے بلکہ اس سے بہت بڑی کثرت مراد ہے۔ چناچہ اس رات میں، جو اپنی بھلائی کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بھی افضل ہے، جس آدمی نے اللہ تعالی کی عبادت کی اور اس سے لو لگائی، اس نے بہت بڑی بھلائی حاصل کر لی کیونکہ اس رات میں بندے کا اللہ کی طرف رجوع کرنا یہی معنی تو رکھتا ہے کہ اسے اس رات کی اہمیت کا پورا پورا احساس ہے، اور وہ یہ جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالی نے بنی نوع انسان پر یہ کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اپنا کلام نازل فرمایا۔ جس آدمی نے اس رات میں عبادت کا اہتمام کیا، گویا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اس کے دل میں قرآن مجید کی صحیح قدر و قیمت کا احساس موجود ہے۔

☆.....☆.....☆

امانت

بلند کردار اور اعلیٰ صفات کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان صفات اور خوبیوں کا تعلق کسی خاص فرد، قوم و مذہب سے نہیں بلکہ یہ انسانیت کا خاصہ ہیں۔ خود قرآن میں ان افراد کی بھی اچھی خوبیوں کی تعریف کی گئی ہے جن کا تعلق مسلمانوں سے نہیں بلکہ ایک اور قوم سے تھا۔

''اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملے میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا الا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ'' آل عمران ۷۵

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جس خوبی کی تعریف فرمائی ہے وہ امانت ہے اور جس کی مذمت فرمائی ہے وہ خیانت ہے۔ امانت ایسی صفت ہے جس سے اعلیٰ اخلاق کی صفات خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور خیانت وہ برائی ہے جس سے کئی برائیاں وابستہ ہیں۔

امانت، معنی و مفہوم:

''امانت'' عربی زبان میں کسی معاملہ میں کسی پر اعتماد کرنے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ کام، چیز یا کوئی بات جو کسی پر اعتماد کر کے اس کے سپرد کی جائے، امانت ہے۔ جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ امین کہلاتا ہے، اگر امین نے اس امانت کی حفاظت کی اور بوقت مطالبہ اس کو صحیح حالت میں واپس کیا تو یہ دیانت ہے۔ لیکن جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی وہ اس کی حفاظت سے لاپروائی کر کے اسے نقصان پہنچائے، اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے یا اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو یہ خیانت ہے اور وہ شخص خائن ہے۔

امانت کی چند مثالیں:

۱۔ کسی نے کوئی چیز، رقم وغیرہ کسی کو سپرد کی تو وہ اس کی حفاظت کرے۔

۲۔ کسی نے کوئی راز کی بات کسی محفل یا انفرادی طور پر کسی سے کہی تو وہ اس کو پوشیدہ رکھے۔

۳۔ کسی کو کوئی عہدہ یا اختیار ملا، تو وہ اپنی حیثیت اور اختیار کا جائز استعمال کرے۔

۴۔ کسی اہل علم، تجربہ کار یا ہنرمند فرد کو کوئی کام سونپا گیا، تو وہ اپنی صلاحیت کے مطابق اسے بہتر طریقہ سے انجام دے۔

امانت، قرآن حکیم کی روشنی میں:

۱۔ امانت داری کامیاب مومن کی نشانی ہے۔

والذین ھم لا منتھم و عھدھم راعون. المئومنون ۸

ترجمہ: ''وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔''

''امانت کا لفظ جامع ہے، ان تمام امانتوں کیلئے جو خداوند کریم یا معاشرے نے یا افراد نے کسی شخص کے سپرد کی ہوں اور عہد و پیمان میں وہ سارے معاہدے داخل ہیں، جو انسان اور خدا کے درمیان یا انسان اور انسان کے درمیان یا قوم اور قوم کے درمیان استوار کئے گئے ہوں۔ مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی امانت میں خیانت نہ کرے گا اور کبھی اپنے قول و اقرار سے نہ پھرے گا۔'' المومنون۔ تفہیم القرآن جلد ۳، ص ۲۶۷

۲۔ امانت کی واپسی اللہ کا حکم ہے

فان امن بعضکم بعضا فلیود الذی ائوتمن امانتہ ولیتق اللہ ربہ. البقرہ ۲۸۳

ترجمہ: ''اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اپنے رب سے ڈرے۔''

۳۔ امانت میں خیانت سے بچنا

یا ایھا الذین آمنوا لا تخونو اللہ والرسول و تخونو

امنتکم و انتم تعلمون. انفال ۲۷

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جانتے بوجھتے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب نہ ہو۔''

۴۔امانت صحیح لوگوں کے سپرد کیا کرو

ان اللہ یأمرکم ان تئودوا الامنت الی اھلھا. النساء ۵۸

امانت کا لفظ یہاں نہایت وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔تمام حقوق و فرائض، خواہ حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہوں یا حقوق العباد، انفرادی نوعیت کے ہوں یا اجتماعی نوعیت کے، اپنوں سے متعلق ہوں یا بے گانوں سے، مالی معاملات کی قسم سے ہوں یا سیاسی معاہدات کی قسم سے، صلح و امن کے دور کے ہوں یا جنگ کے، غرض جس نوعیت اور جس درجے کے حقوق و فرائض ہوں وہ سب امانت کے مفہوم میں داخل ہیں اور مسلمانوں کو شریعت اور اقتدار کی امانت سپرد کرنے کے بعد اجتماعی حیثیت سے سب سے پہلے جو ہدایت ہوئی وہ یہ ہے کہ تم جن حقوق و فرائض کے ذمہ دار بنائے جارہے ہو ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔

اس ہدایت کے اندر یہ تلمیح بھی مضمر ہے کہ یہ امانت جن (بنی اسرائیل) سے چھین کر تمہیں دی جارہی ہے انہوں نے اس کا حق ادا نہیں کیا۔جس منصب شہادت پر ان کو مامور کیا گیا اس کو انہوں نے چھپایا۔ جو کتاب ان کی تحویل میں دی گئی اس میں انہوں نے تحریف کی، جس شریعت کا ان کو حامل بنایا گیا اس میں انہوں نے اختلاف پیدا کیا، جن حقوق کے وہ امین بنائے گئے ان میں انہوں نے خیانت کی۔ جو فرائض ان کے سپرد ہوئے ان میں وہ چور ثابت ہوئے، جو عہد انہوں نے باندھے وہ سب توڑ ڈالے۔اس وجہ سے تمہاری اولین ذمہ داری ہے کہ اس عظیم امانت کی صورت میں جن حقوق و فرائض کے اب تم حامل بنائے جارہے ہو ان کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا۔

حقوق و فرائض کے لئے امانت کا لفظ ایک تو یہ تصور پیدا کرتا ہے کہ یہ سب خدا کی سپرد کردہ امانتیں ہیں، اس لئے کہ ان کا عائد کرنے والا خدا ہی ہے۔دوسرا یہ کہ ان ساری امانتوں سے متعلق ایک دن لازماً امانت سونپنے والے کی طرف سے پرسش ہونی ہے، اگر ان میں کوئی خیانت ہو گی تو کوئی نہیں ہے جو خدا کی پکڑ سے بچا سکے۔تدبر القرآن جلد ۲

۵۔اللہ کے احکام پر عمل کی ذمہ داری امانت ہے

انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا و حملھا الانسان. انه کان ظلوماً جھولاً. الاحزاب ۷۲

ترجمہ: ''بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی، آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اسے ڈر گئے اور آدمی نے اٹھالی۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔''

اس جگہ امانت سے مراد وہی خلافت ہے جو قرآن مجید کی رو سے انسان کو زمین میں عطا کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو طاعت و معصیت کی جو آزادی بخشی ہے اور اس آزادی کو استعمال کرنے کیلئے اسے اپنی بے شمار مخلوقات پر تصرف کے جو اختیارات عطا کئے ہیں، ان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان خود اپنے اختیاری اعمال کا ذمہ دار قرار پائے اور اپنے صحیح طرز عمل پر اجر کا اور غلط طرز عمل پر وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے۔اس لئے قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر ان کو خلافت کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں اسی کے لئے امانت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہ امانت کتنی اہم اور گراں بار ہے، اس کا تصور لانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آسمان و زمین اپنی ساری عظمت کے باوجود اور پہاڑ اپنی زبردست جسامت و متانت کے باوجود اس کے اٹھانے کی طاقت اور ہمت نہ رکھتے تھے، مگر انسان ضعیف البنیان نے اپنی ذرا سی جان پر یہ بھاری بوجھ اٹھالیا ہے۔تفہیم القرآن جلد ۴

۶۔ہماری جان و مال جنت کے بدلے اللہ کی امانت ہے

ان اللہ اشترامن المئومنین انفسکم و اموالھم بان لھم الجنة. التوبہ ۱۱۱

ترجمہ: ''بے شک اللہ نے مومنین سے ان کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔''

ایمان دراصل خرید و فروخت کا معاہدہ ہے۔عموماً امانت داری کا لفظ بولتے ہیں تو دنیا میں لین دین کا تصور ہمارے سامنے آتا ہے کہ آدمی

خرید وفروخت کرے۔ اللہ نے کہا کہ ایمان تو خرید وفروخت کا معاملہ ہے۔ اللہ کے بندے نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں اس کے ہاتھ بیچ دیا۔ جو آدمی امانت دار نہیں وہ ایمان کو پورا نہیں کرسکتا۔ (امانت داری، خرم مراد)

امانت احادیث کی روشنی میں

۱۔امانت کی اہمیت

وعن انس قال قلّ ما خطبنا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم الاقال لا ايمان لمن لا امانة له ولا دين لمن لا عهدله (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ''حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا خطبہ کم دیا ہے جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں ایفائے عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں (شعب الایمان)

تشریح: امانت و دیانت اور ایفاء عہد وہ اعلیٰ اوصاف ہیں جن کا ہر مسلمان و مومن میں ہونا ضروری ہے، ان اوصاف کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ جب بھی وعظ و نصیحت فرمایا کرتے یا خطبہ دیا کرتے تو امانت و دیانت اور ایفائے عہد کے بارے میں ضرور تاکید فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ مومن کی فطرت ہی امانت و دیانت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کے اندر ان اوصاف کے جوہر فطری طور پر ہوتے ہیں جو زندگی کے ہر موڑ پر نیکی و بھلائی کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اس طرح ایفائے عہد بھی فطرت سلیم اور ایمان کا خاصہ ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ جس شخص کے اندر یہ اوصاف نہیں ہوں گے وہ دین و ایمان کی حقیقی لذت سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکے گا۔ تاہم اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کا ایمان بالکل ہی ختم ہو جائے گا بلکہ ان اوصاف کی اہمیت وعظمت کی بنا پر مبالغہ سے کام لیا گیا اور تاکیداً اس طرح فرمایا گیا تاکہ اس کی اہمیت دلوں میں بیٹھ جائے۔ (مظاہر حق جدید، ایمان کے ابواب)

۲۔امانت میں خیانت، منافق کی نشانی

وعن ابی هريره قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ايت المنافق ثلاث زاد مسلم وان صام و صلى وزعم انه مسلم ثم التفقا اذا حدث كذب و اذا وعد اخلف واذا ائتمن خان (متفق عليه)

اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا! منافق کی تین علامتیں ہیں۔ اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا ''اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے'' اس کے بعد بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں متفق ہیں کہ (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اسکے خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''

وعن عبدالله بن عمر و قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اربع من كن فيه كان منافقاً خالصاً امن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خلص من النفاق حتى يدعها اذائتمن خان و اذا حدث كذب واذا عاهد غدر واذا خاصم فجر (متفق عليه)

اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص میں چار باتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی بات پائی جائے گی (تو سمجھ لو کہ) اس میں نفاق کی ایک خصلت پیدا ہوگئی ہے تاوقتیکہ وہ اس کو چھوڑ نہ دے۔ (اور یہ چار باتیں یہ ہیں) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب قول واقرار کرے تو اس کیخلاف کرے اور جب جھگڑے تو گالیاں بکے۔ (بخاریؒ ومسلمؒ)

۳۔مجلس میں کہی گئی بات امانت ہے

المجالس بالامانة. (مجلسیں امانت ہیں)

چند آدمیوں کے درمیان کوئی بات ہوئی، کسی نے کوئی راز کی بات کہہ دی، کسی سے مشورہ کیا گیا، آپس میں کوئی گفتگو ہوئی۔ ایسی باتوں کو بے وجہ دوسروں کو بتانا امانت میں خیانت ہے۔

۴۔امانت کی برکت اور خیانت کا نقصان

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: امانت رزق کو کھینچتی ہے اور خیانت

فقر وفاقہ کو کھینچتی ہے۔ (کنز الایمان جلد۳، حدیث ۵۴۹۳)

۵۔روزِ قیامت امانت کی طلب

اللہ کی راہ میں شہید کی جانب سے تمام گناہوں کا کفارہ ہے لیکن امانت کا کفارہ نہیں۔ایک بندے کو قیامت کے روز لایا جائے گا جو شہید ہوا ہوگا اور کہا جائے گا کہ تم امانت ادا کرو۔وہ کہے گا اے اللہ! اب میں کہاں سے لاؤں، اب تو دنیا ختم ہو چکی ہے۔کہا جائے گا کہ اس کو جہنم کے طبقہ ھاویہ میں لے جاؤ۔ وہاں امانت والی چیز مثال بن کر اصل حالت میں اس کے سامنے آئے گی تو وہ اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور اس کے پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے گرے گا۔ یہاں تک کہ اسے پکڑ لے گا۔وہ اسے پکڑ کر اپنے کندھوں پر لاد کر چلے گا لیکن جب جہنم سے نکلنے کی کوشش کرے گا تو وہ بوجھ اس کے کندھے سے گر پڑے گا اور وہ اس کے پیچھے ہمیشہ گرتا چلا جائے گا۔اس کے بعد آپ نے وضو، نماز، ناپ تول اور دیگر بہت سی چیزیں شمار فرمائیں اور ان میں سب سے زیادہ سخت معاملہ امانت کی چیزوں کا ہے۔

(شعب الایمان۔امام بیہقی (باب فی الامانات و مایجب من ادائھا الی اھلھا) جلد نمبر۴، صفحہ ۳۲۳، حدیث نمبر ۵۲۶۶

۶۔امانت میں خیانت کا بوجھ

سعد بن عبادہؓ کی طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''ایسا نہ ہو کہ بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے جسے تو نے خیانت میں لیا تھا۔'' میں نے کہا پھر تو میں اس طرح کا عہدہ لینے سے دستبردار ہوتا ہوں۔ پھر آپ نے مجھے اس عہدہ پر متعین فرمانے پر اصرار نہیں فرمایا۔سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۱ تفسیر ابن کثیر

۷۔امانت میں خیانت کی سزا

ایک روز رسول اللہ ﷺ جنت البقیع میں سے گزر رہے تھے کہ ایک قبر والے کے بارے میں فرمایا کہ تم پر افسوس ہے، پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ اس قبر والے کو ایک مرتبہ عامل مقرر کیا گیا تھا۔اس نے اس میں سے ایک چادر خیانت کے طور پر لے لی۔اب وہ چادر اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔(صحیح بخاری جلد اول، صفحہ ۴۲۲)

۸امانت کی عظمت

میری امت اس وقت تک فطری صلاحیت پر قائم رہے گی جب تک وہ امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو جرمانہ نہ سمجھے۔(کنز العمال جلد نمبر۳، صفحہ ۶۲، حدیث نمبر ۵۴۰۴)

۹۔امانت میں خیانت کا انجام

حدیث: اللہ جب کسی بندے کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس سے حیا کو نکال دیتا ہے۔جب اس سے حیا نکل جاتی ہے تو اللہ کا غصہ پاتا ہے۔ جب اللہ اس کو غصہ کرتا ہے تو اس کے دل سے امانت نکل جاتی ہے تو تو اسے ہمیشہ خائن پاتا ہے اور جب خائن ہوتا ہے تو اس سے رحمت نکل جاتی ہے۔جب اس سے رحمت نکل جاتی ہے تو تو اس کو ملعون پائے گا۔ جب ہر وقت ملعون ہوتا ہے تو اس کی گردن سے اسلام کی رسی نکل جاتی ہے۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب ذہاب الامانۃ۔ حدیث نمبر ۴۰۵۴)

۱۰۔امانت اور قربِ قیامت

جب امانت ضائع کر دی جائے گی تو قیامت کا انتظار کرو۔ (الترغیب والترھیب۔باب الترغیب فی الجاز الوعد والامانۃ)

ایک آدمی نے پوچھا، حضورؐ امانت ضائع ہونے کے کیا معنی ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: امانت کا ضائع ہونا یہ ہے کہ معاملات کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا جائے جو اس کے اہل نہیں۔

یعنی دولت ان کے پاس ہو جو اس کے برتنے کے اہل نہیں۔علم ان کے پاس ہو جو علم کے مطابق کام کرنے کے اہل نہیں۔سیاست ان کے پاس ہو، جو اس کے مطابق حکومت کرنے کے اہل نہ ہوں۔ معاملات ان کے ہاتھ میں ہوں جو معاملات کو چلانے کے اہل نہیں۔ تعلیم کا معاملہ ان کے ہاتھ میں ہو، جو تعلیم کا حق ادا کرنے کے اہل نہ ہوں۔جب معاملاتِ دین اور دنیا ان کے سپرد کئے جائیں جو اس کے اہل نہ ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ امانت ضائع ہوگئی۔ جب امانت ضائع ہو جائے تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ جب قیامت کے روز سب لوگ جمع

ہو جائیں گے تو مختلف پیغمبروں کے پاس جا کر شفاعت کی درخواست کریں گے۔ پھر رسولؐ اللہ کے پاس آئیں گے۔ حضور اکرمؐ کو اجازت دی جائے گی کہ آپ کھڑے ہو کر بات کریں۔ جب حضورؐ کھڑے ہو جائیں گے تو جنت کے راستے پر دو چیزیں کھڑی ہو جائیں گی۔ ایک رحم اور دوسری امانت داری۔ رحم کے معنی قرابت داری کو نبھانا ہے۔ اس کے بعد کوئی بجلی کی تیزی سے اور کوئی ہوا کی تیزی سے گزر جائے گا۔ کوئی چلتا ہوا جائے گا اور کوئی لڑکھڑاتا ہوا جائے گا۔ اب سب کو جو چیزیں روکنے والی ہوں گی، وہ امانت اور صلہ رحمی ہوگی۔ بعض لوگوں کو ان کے اعمال عاجز کر دیں گے، وہ چل نہیں سکیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز جنت کے راستے پر سب سے زیادہ معاون بھی ہوگی اور رکاوٹ بھی بن سکتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ صرف نماز رہ جائے گی، امانت رخصت ہو جائے گی، یہ میری امت کی گراوٹ اور زوال کا وقت ہوگا۔ اصل چیز تو امانت داری ہے۔ اللہ نے جو جسم دیا ہے، جو صلاحیت دی ہے، اس کو اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے کرنا۔

حضورؐ کی نبوت کی ایک ہی سب سے بڑی سند ہے اور وہ یہ کہ آپؐ امین تھے۔ جبرائیلؑ نے قرآن کو بالکل ویسا ہی اللہ کے حکم کے مطابق اتارا تو اللہ نے امین کا لفظ استعمال کیا رسول امین (امانت دار لانے والے تھے، امانت دار پہنچانے والے تھے) امانت کے بغیر تو قومی زندگی، خاندانی زندگی کوئی بھی صحیح طور پر قائم نہیں ہوسکتی۔ (امانت داری۔خرم مراد)

امانت، اسوہ حسنہؐ اور حیات صحابہ کی روشنی میں

۱۔ حضرت ابولبابہؓ کو بخشش کی نوید

جب حضورؐ کی فوجوں نے بنو قریظہ کے قبیلے کو مدینہ کے پاس محاصرے میں لے لیا۔ اس وقت یہ محاصرہ قریب ۲۱ دنوں تک دشمنوں کے اوپر مسلط رہا۔ اس وقت دشمنوں کے رسد کا سارا سامان ختم ہوگیا۔ تب اس قبیلے کے لوگوں نے حضورؐ سے ملک شام جانے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے یہ کہہ کر یہ یہودی قبیلہ شام جا کر بھی اسلام کے خلاف فتنہ وفساد پھیلائے گا، ان لوگوں کو ملکِ شام جانے کی اجازت نہ دی اور یہ شرط رکھی کہ اہل قبیلہ بنو قریظہ کو سعد بن معاذؓ کو ثالث کی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا، مگر یہودیوں نے سعد بن معاذؓ کی جگہ ابولبابہؓ کو بحیثیت ثالث کے ترجیح دی۔ کیونکہ ابولبابہؓ کا خاندان اور ان کا اثاثہ یہودیوں کی بستی سے لگا ہوا تھا۔ اس لئے ان کو ابولبابہؓ سے زیادہ ہمدردی کی امید تھی۔ حضورؐ نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی لیکن جب ابولبابہؓ اس یہودی قبیلے کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ابولبابہؓ سے پوچھا کہ اگر ہم محاصرہ توڑ کر قلعہ سے باہر آنے کی کوشش کریں تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ ابولبابہؓ نے انگلی اپنے گلے پر پھیرتے ہوئے کہا کہ تمہاری گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ دراصل یہ بات حضورؐ اور ابولبابہؓ کے درمیان ایک راز کی بات تھی۔ جیسے ہی ابولبابہؓ یہودی قبیلے سے مل کر واپس آئے تو انہیں اپنی غلطی کا بری طرح احساس ہوا اور نتیجہ کے طور پر انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ لیا۔ یہ سلسلہ سات دن اور سات راتوں تک جاری رہا۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو اس وقت تک آزاد نہیں کریں گے جب تک ان کی توبہ قبول نہ ہو جائے، جب حضورؐ کو اس بارے میں معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر ابولبابہؓ سیدھے میرے پاس آجاتے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ اللہ ان کی غلطی معاف فرما دے۔ اب میں یہ معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ انہیں چاہیے کہ اس وقت کا انتظار کریں جب تک کہ ان کے احساس ندامت کو اللہ تعالیٰ خود قبول نہ کرلیں۔

سات دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابولبابہؓ کی غلطی کو معاف فرما دیا اور وہ اس بندش سے آزاد ہوئے۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک وعدہ خلافی اور راز کو افشاء کرنا امانت میں خیانت اور ایک سنگین جرم سمجھا جاتا تھا جس کے سرزد ہونے پر حضرت ابولبابہؓ نے خود اپنے آپ کو ایسی شدید اور تکلیف دہ سزا دی۔

ہم آج بھی مسجد نبوی کے اندر روضۃ من ریاض الجنۃ میں یہ ستون دیکھ سکتے ہیں جو ستون ابولبابہؓ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ستون ٹھیک اس

پیڑ کی جگہ بنا ہوا ہے جس پیڑ سے ابولبابہؓ نے اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔ بہت سے افراد (حاجی صاحبان) اس ستون کے قریب جا کر نفل ادا کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔

علماء اور محققین کے مطابق اس واقعہ کی طرف سورۃ الانفال آیت نمبر ۲۷ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ **یا ایھا الذین آمنو لاتخونوا.....**

۲۔ خانہ کعبہ کی چابیاں

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ کی چابیاں حضرت عثمانؓ بن طلحہ کی تحویل میں رہتی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے عثمانؓ بن طلحہ سے خانہ کعبہ کی چابیاں طلب فرمائیں۔ عثمانؓ بن طلحہ نے قدرے پس و پیش کے ساتھ یہ کہہ کر چابیاں حضورؐ کے حوالے کیں کہ میں یہ چابیاں آپؐ کو بطور امانت دے رہا ہوں۔

اللہ کے رسولؐ نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا اور اندر سے تمام بتوں کو نکال کر نیست و نابود کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے مطابق اللہ کے رسول جب کعبۃ اللہ سے باہر تشریف لائے تو آپ نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۸ کی تلاوت فرمائی۔ **ان اللہ یأمرکم ان تودو الامانۃ الی اھلھا.....**

اب آپ نے چابیاں دوبارہ حضرت عثمانؓ بن طلحہ کو واپس کرنا چاہیں تو حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر حضورؐ کو چابیاں لوٹانے سے روکنا چاہا کہ اب آج سے یہ چابیاں آپ اپنی تحویل میں رکھیں۔ اللہ کے رسولؐ نے ان کی یہ بات رد کرتے ہوئے فرمایا یہ چابیاں مجھے امانت کے طور پر دی گئی تھیں اور امانت میں خیانت کرنا اسلامی قانون کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان بن طلحہؓ نے خوشی خوشی چابیاں واپس لے لیں اور آپؐ کے بلند کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

۳۔ امانت کی عظیم ترین مثال

حضرت محمد ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کی تو اس وقت حضرت علیؓ کو اپنی جگہ بستر پر سلا کر یہ ہدایت دی کہ صبح ہوتے ہی جس شخص کی جو بھی امانت میرے پاس موجود ہے۔ اسے ان کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ وہ وقت تھا جب تمام قبیلوں نے ایک ساتھ مل کر حضرت محمدؐ کے گھر کو گھیر لیا تھا تاکہ نعوذ باللہ انہیں قتل کیا جا سکے اور دوسری طرف کردار کی یہ عظمت کہ آپ نے اس حال میں بھی اپنے ان تمام بدترین دشمنوں کو امانتیں واپس کرنے کا حکم دیا اور یہ کام حضرت علیؓ کے ذمہ لگایا۔ سبحان اللہ

امانت کی ادائیگی..... ہماری ذمہ داری

۱۔ اللہ تعالیٰ کا دین ہمارے پاس ایک عظیم نعمت اور امانت ہے، اس پر عمل کرنا اور اس کی دعوت دینا ہماری ذمہ داری ہے۔

۲۔ ہماری جان و مال، علم و عقل، حیثیت اور صلاحیت اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر ایک نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کرنا امانت ہے۔

۳۔ ہماری اولاد، اہل و عیال، ہماری نگرانی میں کام کرنے والے زیر اثر افراد سب کی تربیت، راہنمائی اور ان کے جائز حقوق کی ادائیگی ہمارا فرض ہے۔

۴۔ ہماری زندگی اور ہمارے پاس وقت کا ہر لمحہ امانت ہے، اس کو ضائع کرنا امانت میں خیانت ہے۔

۵۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی امانت ہے۔

۶۔ ہمیں جو ڈیوٹی دی گئی ہے، جو عہدہ اور اختیارات ملے ہوں، وہ قوم کی امانت ہے۔

۷۔ کسی کا راز، وعدہ، مشورہ، باہمی لین دین امانت ہے۔

۸۔ کسی کے بارے میں رائے دینا، ووٹ دینا، کسی کو کوئی ذمہ داری دینا امانت ہے۔

امانت، ڈاکٹرز اور شعبہ طب سے متعلق دیگر افراد کیلئے

۱۔ علم اور تجربہ امانت ہے

کسی مریض کا علاج محض دولت کمانے کا ذریعہ نہ سمجھا جائے۔ اسے اللہ کی رضا کے حصول کا ذریعہ اور جذبہ خدمت خلق (حقوق العباد) سے کیا جائے۔ مال و دولت جو قسمت میں ہے وہ تو ویسے بھی ملے گا۔ ذاتی مفاد کی خاطر مریض کو کسی خاص کمپنی کی دوائی لکھنا، یا کمیشن کی خاطر کسی خاص لیبارٹری وغیرہ سے ٹیسٹ کروانا جبکہ اس سے کم قیمت پر وہی کوالٹی دستیاب ہو، امانت میں خیانت ہے۔

۲۔ مریضوں کے اوقات امانت ہیں

مقررشدہ ڈیوٹی اور مریض کی تشخیص وعلاج کیلئے مناسب وقت مختص کرنا امانت ہے۔ دیر سے آنا، جلدی جانا، دوران ملازمت دیانتداری سے کام نہ کرنا، غیرضروری چھٹیاں کرنا خیانت ہے۔

مریض کے علاج کیلئے مناسب علم ضروری ہے، رسولؐ اللہ نے فرمایا: "**من تطبب ولم یعلم منه طب فهو ضامن**" (ابوداؤد نسائی)

ترجمہ: ''جو شخص علم طب نہیں جانتا اور اس نے کسی کا علاج کیا تو وہ ذمہ دار ہے۔''

اس لئے اپنے شعبہ میں حسب استطاعت علم وتجربہ میں اضافہ و تحقیق ضروری ہے۔ ایک ڈاکٹر اگر کسی مریض کے علاج کیلئے مطلوبہ صلاحیت نہیں پاتا تو اسے دوسرے متعلقہ ڈاکٹر کے پاس بھیجا جائے۔

۳۔ خیر کی بات امانت ہے

موقع کی مناسبت سے مریض کو نیکی کی کوئی بات بتائی جاسکتی ہے۔ مثلاً کسی نشہ کرنے والے addict کو نشہ خوری سے منع کرنا، نماز نہ پڑھنے والے کو نماز کی نصیحت، قرآن سیکھنے کی نصیحت، مشکلات اور بیماری میں مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی تلقین، بے پردہ خاتون کی پردہ کی ہدایت وغیرہ۔

ڈیوٹی کے دوران اگر ایمرجنسی نہیں تو نماز بروقت پڑھنا اور دوسروں کو نماز پڑھنے کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، مریضوں اور ان کے تیمارداروں کیلئے انتظارگاہ میں کچھ مختصر تعمیری لٹریچر رکھنا ان کے وقت کا صحیح استعمال ہوگا۔

۴۔ طبی اخلاقیات (Ethics) امانت ہے

جھوٹا سرٹیفکیٹ، (MLC) میڈیکولیگل میں غلط بیانی، غیر اخلاقی اسقاط حمل، بلاضرورت آپریشن اور سی سیکشن (C-Section) امانت میں خیانت ہیں۔ دوران معائنہ مریض کے پردہ کا خیال رکھا جائے، اس کی رازداری اور پوشیدہ مرض خفیہ رکھا جائے، الا یہ کہ اس کی تیمارداری اور علاج کی ضرورت کے پیش نظر کسی کو بتانے کی ضرورت پڑے، یا وہ کسی ادارہ میں ملازمت کیلئے unfit ہے تو ایسی بیماری کو متعلقہ ادارے سے نہ چھپایا جائے۔

اگر روزہ واقعی علاج میں رکاوٹ ہے تو مریض کو روزہ رکھنے سے منع کیا جا سکتا ہے لیکن معمولی تکلیف میں لوگوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دینا بڑا گناہ ہے۔

ہم کیا کریں

ہمارے پاس جو کچھ ہے، اللہ تعالیٰ کی بخشش اور امانت ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔

۱۔ ایمان والوں کے پاس قرآن وسنت اور شریعت امانت ہے۔ اس پر خود عمل کرنا اور دوسروں تک حسب استطاعت پہنچانا۔

۲۔ ہمارا علم، تجربہ، عہدہ، اختیارات قوم کی امانت ہیں۔ دیانتداری سے ڈیوٹی کی ادائیگی اور حقوق العباد کا خیال رکھنا۔

۳۔ بحیثیت ڈاکٹر مریضوں کے علاج میں امانت داری سے کام لینا۔

اگر ہم سے ہر ایک امانت میں خیانت کا مرتکب نہ ہو تو زندگی آسان اور معاشرہ پرسکون بن جائے گا۔ آیئے ہم میں سے ہر ایک امانت داری کی ابتدا خود اپنے آپ سے کرے۔ اس سے ہمیں زندگی میں خوشحالی اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوگی۔ انشاءاللہ۔

☆.....☆.....☆

نعت

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی، میرے آقا نے عزت بچا لی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر، کالی کملی میں اپنی چھپا لی

وہ عطا پر عطا کرنے والے اور ہم بھی نہیں ٹلنے والے
جیسی ڈیوڑھی ہے ویسے بھکاری، جیسا داتا ہے ویسے سوالی

میں گدا ہوں مگر کس کے در کا؟ وہ جو سلطانِ کون و مکاں ہیں
یہ غلامی بڑی مستند ہے میرے سر پر ہے تاجِ بلالی

میری عمر رواں بس ٹھہر جا اب سفر کی ضرورت نہیں ہے
ان کے قدموں میں میری جبیں ہے اور ہاتھوں میں روضے کی جالی

اس کو کہتے ہیں بندہ نوازی نام اس کا ہے رحمت مزاجی
دوستوں پر بھی چشم کرم ہے دشمنوں سے بھی شیریں مقالی

میں مدینے سے کیا آ گیا ہوں زندگی جیسے بجھ سی گئی ہے
گھر کے اندر فضا سونی سونی، گھر کے باہر سماں خالی خالی

کوئی بادِ مخالف سے کہہ دے اب مری روشنی مجھ سے چھینے
میں نے آنکھوں کی شمعیں بجھا کر دل میں طیبہ کی مشعل جلالی

میں فقط نام لیوا ہوں ان کا، ان کی توصیف میں کیا کروں گا
میں نہ اقبال، خسرو نہ سعدی، میں نہ قدسی نہ جامی نہ حالی

اقبال عظیم (مرحوم)

دعا

اک واقعہ جو چھید گیا دل کو آر پار
جس کی کسک سے آج بھی ہے روح بے قرار

اک روز میں نے دیکھا تھا اک طفلِ شیر خوار
روتا تھا اور بلکتا تھا جو ضد میں زا ر زار

دیکھا جب اس نے ماں کا پگھلتا نہیں ہے دل
طرزِ طلب ہزار وہ کرتا تھا اختیار

لوٹتا کبھی جھگڑتا کبھی مسکراتا تھا
دامن کو ماں کے کھینچتا جاتا تھا بار بار

سر کو پٹکتا اور کبھی لڑ لڑ کے مانگتا
ہر حربہ آزماتا کہ ممتا کو آئے پیار

تھکتا نہ تھا سوالِ مکرر سے وہ غریب
ماں ہی گئی پھر اس کی محبت کے آگے ہار

محروم کیسے رہتا پھر اپنی طلب سے وہ
تھا مانگنے کا ڈھنگ ہی پُرلُطف و جاندار

حیران تھی کہ میری دعا میں اثر نہیں
یہ راز اب کھلا کہ وہ تھی ہی نہ شاندار

میں جس سے مانگتی ہوں رحیم انتہا کا ہے
قربان جس کے پیار پہ ممتائیں صد ہزار

شدّت مری فُغاں میں تو ایسی کبھی نہ تھی
تقدیر جس سوالِ مکرّر سے جائے ہار

کیسے نہ آئے رحمتِ یزداں بھی جوش میں
دامن کو اُس کے تھام کے کھینچوں جو بار بار

کیونکر نہ عرش ہل اُٹھے میری پُکار سے
نالہ مرا ہو ا یسا ہی گر آسماں فِگار

جو زہرِ یاس میری دعا میں نہ مِل سکے
اُمیدوں کے گلاب کبھی ہوں نہ خارخار

یارب سکھا دے مجھ کو دعا کا وُہی طریق
جس پر ہوں کائنات کی سب نعمتیں نثار

سوز ایسا میرے گریۂ پیہم کو بخش دے
ارض و سما کو چیر کے پہنچے افق کے پار

آمنہ رمیصا زاہدی

(سانحہ پشاور اور سانحہ صفورہ گوٹھ کے متاثرین کی پہلی عید پر.....)

عید مبارک.....!

شمیم فاطمہ

اطرافِ شہر جاں میں
ایک خوف جاں گزیں ہے
کچھ خواب تھے سرہانے
جو سہم سے گئے ہیں
خوشیوں کی رہگزر پر
اک درد بچھ گیا ہے
اک آنچ ہے لہو میں
ہر سانس میں خلش ہے
دل کے افق پہ روشن
اک زخمِ تازہ تر ہے.....
لیکن یہ بوجھ دل کا
یہ روح کی اداسی
یہ بھیگی بھیگی پلکیں
قدموں کی لڑکھڑاہٹ
یہ رنج و بے قراری
اک باہمی خوشی کے
احساس میں ڈھلے گی
بے رنگ ساعتوں میں
کچھ رنگ سا بھرے گا
کچھ دیر دل تھمے گا
گم گشتہ زندگی کا
کچھ تو پتہ ملے گا
قدموں کو پھر سفر کا
اک حوصلہ ملے گا!

غزل

خود کو بھی کبھی خود سے چھپا لاؤ کسی شب
چپکے سے مرے خواب میں آجاؤ کسی شب
کچھ اور نکھر جائینگی یادوں کی قبائیں
شبنم کی طرح دل میں اتر آؤ کسی شب
ہر خوابِ تمنائے سحر خواب ہی رہ جائے
زلفیں مرے شانوں پہ یوں لہراؤ کسی شب
ایسی بھی کیا محتاجیِ اظہارِ تمنا
کیا ہے جو کبھی خود سے پگھل جاؤ کسی شب
ہر سمت تری یاد کی کلیاں چٹک اٹھیں
کچھ ایسے خیالات کو مہکاؤ کسی شب
راتوں کی سیاہی کو سیاہی میں ملا دو
گھنگھور گھٹاؤں کی طرح چھاؤ کسی شب
یا وصفِ فسوں پاشیِ الطاف و عنایت
طوفان پہ طوفان اٹھا جاؤ کسی شب
یکسانیِ ماحول نہیں خوب تو پھر تم
شرماؤ کسی شب تو نہ شرماؤ کسی شب
لہرا کے کسی شام کے آنچل کی ہوا سے
یادوں کے چمن زار کو دہکاؤ کسی شب
اک بار یہ نازُک سی کلائی چڑھے کنگن
ہولے سے ذرا کان میں کھنکاؤ کسی شب
ہاں تم کو دھنک رنگ دوپٹے کی قسم ہے
یادوں کے افق پر اسے لہراؤ کسی شب
کیا شے ہے ترنم کا فسوں، آنکھ کا جادو
رس بول کے مے آنکھ سے چھلکاؤ کسی شب

حبیب الرحمٰن

افشاں نوید

گٹھلیاں اور دانے

پچھلے برس ترمذی صاحب رمضان کے روزے نہ رکھ پائے ان کا شوگر لیول اس تیزی سے اَپ اور ڈاؤن ہونے لگا کہ ڈاکٹر نے روزے رکھنے سے منع کر دیا۔

سارا سال ہر مہینے کی آخری جمعرات کو مسز ترمذی اپنے شوہر کی صحت کیلئے آیت کریمہ کا ورد کرتی رہیں۔ پڑوسی ہونے کے ناطے میں بھی ضرور شرکت کرتی، اس بہانے محلے کی خواتین سے بھی ملاقات ہو جاتی کچھ حال احوال معلوم ہو جاتے۔ آیت کریمہ پر بڑا اعتقاد ہے ہم مسلمانوں کا اور ہونا بھی چاہیے کہ اللہ کے کلام میں بڑی برکت ہے اور واقعی مسائل حل بھی ہوتے ہیں۔

سال کے شروع میں میں شدید خانگی مسائل کا شکار رہی۔ جس رشتہ دار کو علم ہوتا وہ ہمدردی کرتے ہوئے کوئی نہ کوئی وظیفہ ضرور بتا دیتا۔ کوئی کہتا اتنی سو بار یہ اسم مبارکہ پڑھو بڑی برکت ہے کوئی کسی آیت کا بتاتا کوئی کسی سورۃ کو پڑھنے کی نصیحت کرتا۔ سینکڑوں کتابیں ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ فلاں مشکلات کا حل فلاں ورد میں ہے اور فلاں آیت فلاں اثرات کو زائل کرتی ہے۔ یقیناً لوگوں کی تحقیق رہی ہوگی اور یہ سب افادۂ عام کیلئے کیا جاتا رہا ہے۔ کتنے لوگ ہیں جو ''منزل'' پڑھنے کو دنیا کے تمام مسائل کا حل گردانتے ہیں اور ان کے خیال میں جو ایسا نہیں کرتے وہ خود آفات و بلیات کو دعوت دیتے ہیں۔ میری کزن بولی کہ ''میں نے اپنی ساس کو بہت مجبور کیا کہ وہ قرآن ترجمے سے پڑھا کریں ہماری ہدایت اور نجات کا راستہ تو اس کتاب آخر میں ہے۔ مگر وہ بعد نماز فجر بہت عقیدت سے بس ''منزل'' کا ورد کرتی ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ہر مصیبت کا آزمودہ نسخہ بس یہی ہے۔ حالانکہ ہم ہدایت طلب کرتے تو مصیبتوں سے راہ نجات خود ہی روشن ہو جاتی۔''

محلے بھر میں آیت کریمہ کی محفلوں میں امی جان کے ساتھ جانے کا موقع ملتا تھا۔ ہر دن کسی نہ کسی گھر میں کہیں درودِ تنجینا، کہیں آیت کریمہ، کہیں کسی سورۃ کا ختم جیسی تقاریب میں جانے کا موقع ملتا۔ ظاہر ہے کہ لوگ اپنی پریشانیوں میں اللہ ہی سے رجوع کرتے ہیں وہی دکھے دلوں کا سہارا ہے اور وہی بگڑی بناتا ہے۔ کہیں سینکڑوں اور کہیں ہزاروں کی تعداد میں ان وظیفوں کا ختم ہوتا ہے۔ اہل محلّہ اور خاندان کے لوگ گھنٹوں بیٹھ کر انتہائی احتیاط سے گنتی کر کے یہ وظائف مکمل کرتے ہیں اور اپنی حاجتوں کیلئے فریاد کرتے ہیں وہ کیوں نہ سنے گا..... وہ تو بندے کی رگ گلو سے بھی قریب تر ہے۔

اس وقت مسز ترمذی کے ساتھ بیٹھی میں بھی تسبیح پر آیت کریمہ کا ورد کر رہی ہوں اور کمرے میں موجود دیگر خواتین بھی۔ اس مذہبی تقریب کیلئے انہوں نے کمرے کو بڑے سلیقے سے آراستہ کیا ہے۔ سفید براق چادریں، سرخ مخملی گاؤ تکیے، دو اطراف چھوٹی میزیں ایک پر تسبیح اور دوسری پر موتیے کے پھول ایک کرسٹل کے بڑے جار میں رکھے ہیں جو کمرے میں دھیمی دھیمی خوشبو بکھیر رہے ہیں۔ درمیان میں پلاسٹک کی شیٹ پر املی اور کھجور کی خشک گٹھلیاں رکھی ہیں جن کو بہت احتیاط سے ان کی بہو شمار کرتی جا رہی ہے کہ کتنی تعداد میں ابھی وظیفہ پڑھنا باقی ہے۔ رو در رو بیٹھی خواتین کے لب جنبش میں ہیں۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی کلمہ ادا ہو رہا ہے لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

نہیں ہے کوئی معبود سوائے آپکے، پاک ہے آپ کی ذات، بے شک میں ظالموں میں سے ہوں! اللہ آزمائشیں بندوں پر ڈالتا ہے کبھی ان کا ایمان بڑھانے کے لئے اور ان کو رجوع کا موقع دینے کیلئے، کبھی ان کے گناہوں کی سزا کے طور پر کبھی ان کے درجات بڑھانے کیلئے اور

کبھی انہیں نعمتوں کی معرفت عطا کرنے کیلئے کتنے پیارے ہیں یہ کلمات جو اس وقت ہم سب ادا کر رہے ہیں حضرت یونسؑ کی دعا کہ جب ان کو اندازہ ہوا کہ وہ غلطی کر بیٹھے ہیں مچھلی کے پیٹ میں وہ حضوری قلب سے اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ مجھ سے ظلم ہو گیا ہے۔ تیری پاک ذات نے نظر کرم نہ کی تو کوئی نہیں اس آزمائش سے نکالنے والا۔ بندے کو اپنے قصور کی معرفت عطا ہو جانا قدرت کا بہت بڑا انعام ہے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہ السلام بھی بشری کمزوریوں سے خطا کر گزرتے تھے اور غلطی کا احساس ہوتے ہی فوراً رجوع کر لیتے تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو تو رب نے خود کلمات سکھائے توبہ کے اور ان کی توبہ قبول کی۔ اس کا دربار تو ہر لمحہ کھلا ہے کہ کب کوئی عاصی پلٹ آئے اور وہ اپنے دامن رحمت میں ڈھانپ لے۔

ہم سب اس وقت یہی کلمہ بار بار دہرا رہے ہیں ہزاروں کی تعداد مکمل ہو رہی ہے میں خواتین کے ہلتے ہوئے لب دیکھ رہی ہوں اور اللہ پاک سے دست بدعا ہوں کہ اے اللہ ہم پر ہمارے نفس کو آشکارا کر دے۔ یہ بہت حجت باز ہے دلیلیں دیتا ہے ہمارے اور ہمارے گناہوں کے درمیان بہت سارے حجابات حائل ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح ہمیں بھی اپنے قصوروں کی معرفت عطا فرما کہ ہم سچی توبہ کر سکیں حقیقت تو یہی ہے کہ آزمائشوں میں بھی ہمیں قصور دوسروں ہی کے نظر آتے ہیں۔ ہمارا گمان بس یہاں جا کر ٹھہر جاتا ہے کہ لوگ ہم سے حسد کرتے ہیں اور یہ حسد ہمیں آزمائشوں کی بھٹی میں دھکیلتا رہتا ہے۔ جو لوگ ہم سے زیادہ نافرمان ہیں وہ تو مزے میں ہیں اور آزمائشوں سے ہم گزرتے ہیں۔ شیطان تو انسان کے خون میں گردش کر رہا ہے وہ نہیں چاہتا کہ حقیقت ہم پر آشکارا ہو۔ اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ دعا سکھا کر گئے کہ ''واکشف لی وجوہ الحقائق'' کہ رب مجھ پر حقائق کو منکشف کر دے۔

یہ بیس بائیس خواتین جو وظیفہ پڑھ رہی ہیں اعتراف کر رہی ہیں کہ ہم ظالم ہیں کیا ہمارے اندر یہ اخلاقی جرأت ہے کہ ہم ظالم کو اس کا ظلم بتا سکیں یا جو ظلم ہم سے ہو چکا ہے ہم اس کے تدارک کے طریقے سوچیں؟ اللہ کے نبیوں نے جب قصوروں کا اعتراف کیا تو پھر باقی زندگی مسلم حنیف بن کر گزاری بہترین یکسو بندہ بن کر مگر ہمارے لئے کتنا دشوار ہے اپنے قصوروں کا اعتراف!

مجھے یاد ہے مسز ترمذی کے سسر کے انتقال پر جو جائیدادوں کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے اور خاندان میں ایسی پھوٹ پڑی تھی کہ الحفیظ الامان۔ ایک زبان سے دوسری زبان ان قصوں کو لیتی چلی جا رہی تھی۔ اور نتیجہ میں بھائیوں نے ایک دوسرے سے ملنا جلنا چھوڑ دیا کیونکہ زر، زن اور زمین ہمیشہ سے فتنہ و فساد کا موجب رہے ہیں۔ جب ترمذی صاحب کے چھوٹے بھائی کا انتقال ہوا تو میرا گمان تھا کہ اب گلے شکوے دور ہو جائیں گے لیکن ایسا نہ ہو سکا کیونکہ ان کے بیٹوں کا خیال ہے کہ ان کے تایا (ترمذی صاحب) نے جائیداد کی تقسیم منصفانہ بنیادوں پر نہیں کی۔ بات عدالت تک پہنچی، معاملات شاید سلجھ گئے ہوں جائیداد کے مگر دلوں میں وہ دوریاں پیدا ہوئیں کہ اب ترمذی صاحب کی اکلوتی بہن اور مرحوم بھائی کے بچے عید، بقر عید تک پر ان کے گھر نہیں آتے۔ اسلام نے رحم کے رشتوں کو قطع کرنے پر کتنی وعیدیں سنائی ہیں۔ آخرت میں تو حساب کتاب ہو گا ہی مگر دنیا میں بھی نافرمانیوں کی سزا ہمارے سامنے آتی رہتی ہے ہم جس کیلئے لاکھوں کی تعداد میں وظیفہ پڑھیں اور ظالم ہونے کا اعتراف کریں وہ تو اپنا ظلم ماننے پر آمادہ ہی نہیں۔ اللہ نے ہمیں عقل و شعور، فہم و بصیرت اور ہدایت کی پوری روشنی میں اس دنیا میں بھیجا ہے۔

میں نے مسز ترمذی سے کہا کہ ''آپ اپنے شوہر سے کہیں کہ وہ رمضان میں اپنا دل صاف کر لیں اپنے رشتہ داروں کی طرف سے، اپنی بہن کو منا لیں اور یتیم بھتیجی، بھتیجوں کے سر پر ہاتھ رکھ دیں!'' وہ بولیں کہ ''ان کا تو خیال ہے کہ زیادتی ان کے ساتھ ہوئی ہے کسی نے ان کے اکرام کا خیال نہیں رکھا اور عدالت میں نازیبا زبان اختیار کی ان کے بھتیجوں نے ان کے خلاف!'' میں نے کہا ''ہاں بڑائی تو اسی میں ہے کہ وہ دوسروں کی غلطیاں ہوتے ہوئے بھی انہیں گلے لگا لیں آخر رحم کے رشتے یوں تو کمزور نہیں پڑنا چاہئیں یہ ان کی اعلیٰ ظرفی ہو گی کہ وہ پہل کر

لیں۔ وہ معاف کر دیں گے اللہ بھی درگزر کرے گا ان سے ہم اللہ سے مغفرتوں اور رحمتوں کے طالب ہیں اس ماہ مبارک میں تو اس کے بندوں سے بھی درگزر کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اللہ آخرت میں بھی اجر دے گا اور دنیا میں بھی انہیں راحت نصیب ہو گی۔'' وہ بہت سنجیدگی سے سنتی رہیں پھر بولیں کہ ''میں کوشش ضرور کروں گی مگر ترمذی صاحب طبیعت کے بہت ضدی ہیں۔ ان کا دل کسی کی طرف سے میلا ہو جائے تو کم ہی صاف ہوتا ہے دوسرے اب تو صحت کے مسائل نے بھی بہت چڑچڑا بنا دیا ہے انہیں۔ بہرحال آپ نے توجہ دلائی ہے میں ضرور کوشش کروں گی۔''

اس دوران سوا لاکھ کا وظیفہ مکمل ہو گیا آیت کریمہ کا۔ میں خشک گٹھلیوں کے ڈھیر کو دیکھنے لگی جو گواہ تھا کہ اس پر اپنے ظلم کا اعتراف کیا گیا ہے۔ ایک بار نہیں دو بار نہیں ہزار بار بھی نہیں سوا لاکھ بار اعتراف کیا گیا ہے کہ ہم ظالم ہیں۔ مگر کیا وہ اعتراف قلبی تھا حضرت یونس علیہ السلام کی طرح کہ پھر واقعی پلٹ گئے، رجوع کر لیا، اواہ' منیب بن گئے اپنے نفس کی چالوں سے ہشیار ہو گئے؟ اس گٹھلیوں کے ڈھیر اور تسبیحوں پر کتنے لوگوں نے ترمذی صاحب کے حق میں سفارش کی کہ ان سے ظلم ہو گیا ہے انہیں معاف کر کے ان کی صحت پھر بحال کر دے۔ مگر خود میں اہلیت نہ ہو تو سفارشیں بھی کہاں تک کام آتی ہیں۔ اس آیت کریمہ کے پس پشت تو ایک رجوع کرنے والا قلب تھا۔ ہم نے وہ کلمہ تو سیکھ لیا مگر اپنے قلب کو وہ قلب سلیم نہ بنا سکے۔ روزہ، نماز، حج بجائے خود مطلوب نہیں ہے اصل چیز ان عبادات کی روح ہے ان کا جوہر ہے، کتنا عظیم الشان ہے حضرت یونس علیہ السلام کی زبان سے ادا ہونے والا وہ کلمہ بشرطیکہ ہمارے ظلم کی معرفت ہمیں نصیب ہو جائے۔

مجھے لگا کہ یکدم تسبیح کے دانے اور کھجور کی گٹھلیوں کو گویائی مل گئی ہے اور وہ کہہ رہی ہیں ''تم سب ظالم ہو، مگر صرف اعتراف کرتے ہو اور ادراک نہیں رکھتے۔ کیا صرف ورد کرتے رہو گے ظالم ہونے کا یا پلٹو گے بھی.....سنو! بس جلدی کرو پلٹنے میں!

☆.....☆.....☆

حکم عدولی

جب سے پتہ چلا تھا کہ آنٹی ثریا سکاٹ لینڈ سے پاکستان آ رہی ہیں کوئی دہشت سی دہشت تھی۔

آہستہ بولا کرو، آنٹی ثریا آ رہی ہیں، چیزیں ٹھکانے پر رکھو، آنٹی ثریا بہت ڈسپلنڈ خاتون ہیں۔ یہ جوتا اندر کیوں پہن آئے..... باہر اتار کر آؤ، پتہ نہیں آنٹی ثریا آ رہی ہیں، وہ وقت کی بہت پابند، نفاست پسند اور نفیس مزاج کی خاتون ہیں۔اور.....اور.....امی نے انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی ان کے سامنے کوئی بدتمیزی کا مظاہرہ نہ کرنا۔اور ہاں کھانا کھاتے ہوئے دھیان رکھنا کھانے کی آواز نہ آئے، وہ ہمارے کان مروڑ دیا کرتی تھیں جب ہم کھانا کھاتے ہوئے چپڑ چپڑ کی آواز منہ سے نکالا کرتے تھے.....

رہی سہی کسر ابا پوری کر دیتے.....''زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں ان کے سامنے..... وہ فضول گفتگو تو کیا ضرورت سے زیادہ ایک لفظ بولنا یا سننا پسند نہیں کرتیں۔''

چھوٹی بہن حمیرا نے جل کر کہا'' آنٹی ثریا نہ ہوئیں گویا سربراہ مملکت ہو گئیں۔''

میری ہنسی چھوٹ گئی۔''او چھوٹی، عقل کی موٹی، بھلا حکمران بھی کبھی وقت کے پابند، ڈسپلنڈ ہوا کرتے ہیں؟ ایسے ہوں تو سڑکوں پر ان کے پتلے کیوں جلیں؟''

آنٹی ثریا کی فلائٹ پہنچنے والی تھی، ابا اور امی دونوں کی تیاری دیکھنے والی تھی..... گیٹ سے نکلتے نکلتے انہوں نے پھر یاد دہانی کرائی جوسز وغیرہ زیادہ ٹھنڈے ہوں نہ گرم..... ہر چیز تیار رکھنا، کہیں کارٹون دیکھنے بیٹھ جاؤ اور ہر چیز بھول جاؤ.....اور سنو، انہوں نے چشمہ درست کرتے ہوئے کہا، وہ ان کارٹون فلموں کو سخت ناپسند کرتی ہیں، کہیں ان کے سامنے بچوں کی طرح کارٹون نیٹ ورک کھول کر نہ بیٹھ جانا..... سمجھیں؟''

''اُف..... و.....ہ.....' تو وہ کیا پسند کرتی ہیں؟'' حمیرا نے پوچھا۔

''وہ.....'' امی ایک دم ہکلائیں۔''وہ انڈین اور انگلش موویز دیکھتی ہیں یہ وہ واحد شوق ہے جو ان کی گھٹی میں بھی ان کو ساتھ ملا اور پروان چڑھتا گیا۔ وہ کھانا چھوڑ سکتی ہیں فلمیں نہیں، مجھے یاد ہے جب ستر کی دہائی میں لاہور میں انڈین فلم ''مغل اعظم'' کی نمائش ہوئی تو وہ کوئٹہ سے صرف اور صرف یہ فلم دیکھنے کے لئے آئی تھیں۔اب بھی ان کے بیگ میں اپنے وقت کی مشہور ٹاپ ٹین فلموں کی سی ڈیز موجود ہوتی ہیں.....''

''جب سی ڈیز نہیں تھیں تب؟'' حمیرا کی زبان میں کھجلی ہوئی۔

''تو وی سی آر کی کیسٹس ہوتی تھیں، ہاسٹل کی لڑکیاں ان کے طفیل تمام انڈین فلمیں دیکھ چکی تھیں.....اصل میں وارڈن ان کی سگی پھوپھو تھیں جن سے ثریا کو فلموں کا شوق ملا۔ ثریا کو ان کی پھوپھو نے ہی پالا تھا۔ پھوپھا کی پوسٹنگ دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں ہوئی تھی، تنہائی سے گھبرا کر انہوں نے ثریا کو گود لے لیا.....فیڈر منہ میں ڈال کر پاس ہی لٹا لیتیں اور سارا سارا دن کرائے پر منگوا کر فلمیں دیکھتی تھیں۔ ثریا کا بچپن دلیپ کمار کی فلمیں دیکھ دیکھ کر اور لتا، رفیع کے گانے سن کر گزارا..... جب پھوپھا کا انتقال ہوا تو پھوپھو سات سالہ بیٹے اور ثریا کے ساتھ لاہور شفٹ ہو گئیں۔ وارڈن کے طور پر اپلائی کیا اور ہاسٹلوں میں ہی زندگی تمام کر دی.....''

امی تو آنٹی ثریا کی زندگی کا چھپا ہوا گوشہ بے نقاب کر کے چلی

گئیں لیکن ہمارے لئے یہ بہت نا قابل یقین تھا..... ہماری ساری زندگی تو یہی سنتے گزری کہ شکل اور عقل میں ثریا کا کوئی ثانی نہیں، صورت ایسی کہ شاعر کی غزل، قدبت ایسا کہ دیکھو تو دیکھتے رہ جاؤ، بے پناہ ذہین اور محنتی، حالانکہ جو محنت کرتا ہے وہ ذہین نہیں ہوتا اور جو ذہین ہوتا ہے وہ محنت کم ہی کرتا ہے۔ عادات و اطوار میں بے مثال جو ایک دفعہ ملتا گرویدہ ہو جاتا، اپنی ضروریات کو کم کر کے دوسروں کی مدد کرنے والی، روتوں کو ہنسانے والی ہر فن مولا.....ان کی موجودگی میں کوئی شیلڈ یا ٹرافی کسی اور کو مل جائے..... ناممکن ہے۔ نعت خوانی، مباحثے، مذاکرے، کھیل میں سب سے آگے.....داونر.....''

یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ ہم بہن بھائی جب تک شعور کی عمر کو نہیں پہنچے تھے (ابا کہتے ہیں کہ وہ تو تم ابھی بھی نہیں پہنچے) تب وہ دو ایک سال بعد پاکستان آتی تھیں۔ اس لئے ہمارے ذہنوں میں ان کا وہ سراپا جو دلکشی لئے ہوئے تھا امی کی حالیہ معلومات سے اڑا.....ڑا.....دھم، چکنا چور ہو گیا۔ وہ ایک عورت دلیپ کمار سے ملنے ممبئی کا سفر کرتی ہو، انڈین فلموں کی سی ڈیز اس کے بینڈ بیگ میں موجود ہوتی ہوں، بالی وڈ کے ستاروں کے نام پتے ان کے سیل فون کی میموری میں موجود ہوں بھلا وہ کیسی ہوگی.....!! معزز، مدبر خاتون کے سراپے سے بدل کر ایک دم کچھ کچھ کترینہ اور کرینہ کا خاکہ آ گیا.....

''اُف کتنی پراسراری ہوں گی؟'' حمیرا نے کہا۔

اور.....اور.....سامعین و قارئین گاڑی رکنے کی آواز آتی ہے۔ اور دروازہ کھلا ہے.....اور.....گیٹ کھلتے ہی امی کے پیچھے ایک خاتون داخل ہو رہی ہیں.....

ہائیں یہ کیا..... یہ کون ہیں؟ میں نے آنکھیں مسلیں، سیاہ پرنٹڈ سکارف اوڑھے، کالا چشمہ لگائے، کالے عبائے میں ایک دراز قد خاتون دو بچیوں کے ہمراہ داخل ہو چکی ہیں۔ ایک بچی جو نسبتاً بڑی لگ رہی ہے، یہی دس بارہ سال کی اس نے پورے بازوؤں کی قمیص کے ساتھ شلوار پہنی ہے دوسری نے لمبی فراک کے ساتھ ٹائٹس پہنی ہیں.....سر اس کا بھی ڈھکا ہوا ہے.....اور یہ ان کے پیچھے ابا بھی اندر آ گئے ہیں.....

''ہائیں اس کا مطلب ہے یہی برقعہ پوش خاتون آنٹی ثریا ہیں'' حمیرا منمنائی۔

عربوں کے سے شین قاف کے ساتھ آواز آتی ہے ''السلام علیکم و رحمتہ اللہ'' ہم دونوں بہنیں منہ کھولے آنکھیں پٹپٹا کر انہیں دیکھ رہی ہیں۔ امی نے ٹہوکا دیا.....حمیرا نے جواب دیا۔

''وعلیکم السلام آنٹی''

''بڑی پیاری بچیاں ہیں میمونہ تمہاری'' آنٹی نے ہم دونوں کو پیار کیا۔ ''اوئے یہ تو محلے کے مدرسے کی استانی لگتی ہیں'' حمیرا نے میرے کان میں کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے.....'' میں نے اسی کے لہجے میں جواب دیا امی ابو آنٹی کو لے کر ڈرائنگ روم میں چلے گئے، بچیوں کو ہم اپنے پاس لے آئیں۔

''آپ کا نام کیا ہے؟'' میں نے بڑی والی سے پوچھا۔

''یہ فاطمۃ الزہرا ہے اور میں، خدیجۃ الکبری.....'' بہت اعتماد سے جواب دیا۔

آپ فلمیں دیکھتی ہو، بالی وڈ کی؟ حمیرا نے راز داری سے پوچھا۔

''نہیں.....'' دونوں گھبرا گئیں.....''ہم نے کبھی فلم نہیں دیکھی، ماما بھی نہیں دیکھتیں.....''

''حق ہا.....'' حمیرا نے مصنوعی اداسی سے کہا۔ کتنا شوق تھا شاہ رخ خاں، دیپکا پاڈوکون اور کترینہ کیف کی باتیں سننے کا!''

بچیاں ٹکر ٹکر ہماری شکل دیکھ رہی تھیں، گیسٹ روم میں جانے سے پہلے پہلے حمیرا نے بہانے سے ان کا ہینڈ بیگ بھی دیکھ لیا تھا.....اور بے اختیار منہ پر ہاتھ رکھ کر چیخ کر روک پائی۔

دو طرح کی تسبیح، پنجسورہ، عطر کی دو شیشیاں، کریڈٹ کارڈ اور اے ٹی ایم کارڈ.....کچھ کرنسی!

''امی آپ تو کہتی تھیں آنٹی انڈین فلمیں دیکھتی ہیں'' حمیرا نے امی کے کان میں کہا۔

امی نے سوال آنٹی ثریا کے سامنے رکھا اور ساتھ ہی ساون

بھادوں کی جھڑی شروع ہوگئی۔

''اصل میں تمہاری اور تمہاری پھوپھو کی فلم بینی کا تذکرہ کیا تھا اس لئے بچیاں سوال کررہی ہیں۔'' امی نے رکتے جھجکتے بات مکمل کی۔

''اوہ..... ہو! کیا بتاؤں اور کہاں سے شروع کروں'' آنٹی ثریا نے غمزدہ لہجے میں کہا..... ''اب نظر دوڑاؤں تو اپنی زندگی دور جہالت ہی لگتی ہے۔'' ان کی آنکھوں کے کونے پھر بھیگ گئے پھر اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے بولیں۔

''صبورہ تم جانتی ہو ناں پھوپھو دلیپ کمار کی فلم لگاتیں اور میں ان کی ٹانگیں دباتے دباتے پوری فلم دیکھ لیتی..... ان کو شعور تھا نہ مجھے کہ دس روپے کرائے کی مد میں دے کر کس دلدل میں پھنس رہے ہیں..... پھوپھو تو فلموں کی دیوانی تھیں ہی، میں نشئی بن گئی۔ یہاں تک کہ جب مجھے دیوداس کی کیسٹ ملی یونہی وی سی آر میں وہ سیٹ کرتے کرتے تین گھنٹے پلک جھپکے بنا گزر گئے..... کچن پر رکھا گھی جل جل کر پورا کچن دھوئیں سے بھر گیا..... پڑوسیوں نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا کہ آپ کے گھر سے کچھ جلنے کی بو آرہی ہے..... پھر ''ہرے رام کرشنا'' کے پیچھے تو میں نے جغرافیہ کا پرچہ چھوڑ دیا تھا۔''

کرب، اذیت اور درد بھرے لہجے میں آنٹی ثریا نے کہا:

''پھر جب پھوپھا جان کا انتقال ہوا، پہاڑی علاقوں میں پھوپھو کا دل نہ لگا تو انہوں نے لاہور آکر اپلائی کیا۔ وارڈن بن کر ہاسٹل میں شفٹ ہوئیں۔ اب ان کو دوسرا ہٹ کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ان کا سات سالہ بیٹا نعمان ان کے پاس تھا، پھوپھو نے خط لکھ دیا تھا کہ ثریا کو آپ جب چاہیں لے جاسکتے ہیں۔ مگر تب یہ فلمیں ہی تھیں جنہوں نے مجھے روکے رکھا۔ انڈیا کے فلمسٹار میرے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ میں نے اپنی سگی ماں، اپنے ماں جائے بہن بھائیوں کے پاس جانے سے انکار کردیا۔''

آنٹی ثریا دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگیں، امی نے ان کو پانی دیا.....

''پھر میرا بی اے مکمل ہوا..... شادی ہوئی شادی کے بعد سکاٹ لینڈ جانا پڑا..... ان فلموں اور فلمسٹاروں کے جادو کے حلقے سے باہر آئی تو احساس ہوا یہ سب کچھ غلط تھا..... ان فلمسٹاروں کے حالات پھوپھو سے پتہ چلتے تو لگتا یہ تو گندگی کے سیاہی کے دھبے ہیں..... ایسے میں پھوپھو بیمار ہوگئیں ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوگئیں..... میرے ہاں بھی بیٹا پیدا ہوا میرا ان سے رابطہ منقطع ہوگیا۔

''دو سال کے بعد پاکستان آئی..... بیس دن کا قیام جیسے بیس سیکنڈ میں گزر گیا..... چاہنے کے باوجود پھوپھو سے نہ مل سکی۔ اسی حسرت میں واپس چلی گئی کہ زندگی موت کا کیا پتہ پھوپھو سے مل ہی لیتی۔ خدا کا کرنا یہ ہوا کہ پھر دو سال بعد خدیجۃ الکبریٰ دنیا میں آگئی۔ مرکز و محور بچے تھے..... پاکستان گئی تو پہلے پھوپھو سے ملنے ہاسپٹل پہنچی۔

''کمرہ میں داخل ہوتے ہی جس وجود پر نظر پڑی اسے دیکھتے ہی میری چیخ نکل گئی۔ پھوپھو ہوش میں تھیں لیکن کینسر نے دونوں آنکھیں نگل لی تھیں۔ دلیپ کمار، سنجے کمار کی عاشق آنکھیں اب غار تھیں..... مردوں میں نہ زندوں میں۔ میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ کہے بغیر روتی رہیں۔

میں نے تسلی دلاتے ہوئے نعمان کا پوچھا۔ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ پھوپھو یہ سنتے ہی بلک بلک کر رو دیں۔

پھوپھو کہاں ہے وہ؟ میرا دل دہل رہا تھا۔

ممبئی..... پھوپھو نے روتے ہوئے بتایا۔

کیوں؟ مجھے حیرت کا جھٹکا لگا..... اس کی تجارت کی عمر نہ تھی کھیلوں اور کھلاڑیوں سے اس کا تعلق نہیں تھا پھر ممبئی کیوں گیا؟

فلمسٹار بننے! فلموں کی رسیا پھوپھو نے دکھ سے بتایا۔ وہ تو میٹرک بھی بڑی مشکل سے کر پایا تھا، تو کیا فلمسٹار بن گیا وہ؟ مجھے حیرانی ہوئی یہ چھ سات سال کیسے گزرے علم ہی نہ ہوسکا۔

ہاں..... ہندی نام کے ساتھ..... جاتے ہی ایک ایک دو منٹ کے کردار ملتے گئے۔ فلموں کے بارے میں معلومات لامحدود تھیں کچھ بڑے کردار ملنے کی امید تھی جس میں رنگ بھرنے کے لیے ہندی ناری سے شادی کرلی ایک کوریوگرافر کی اسسٹنٹ سے..... کوشیلا کماری..... ایک بچہ بھی ہے دونوں کا ''اجیت کمار''

پھوپھو آپ دل پر نہ لیں، اس کی قسمت کا رزق وہیں تھا۔

صبح کا آغاز انڈین فلموں سے کرنے والی پھوپھو کی دلجوئی میں کیسے کرتی؟ آپ اس کے صدمے سے بیمار ہوئی ہیں ناں؟ میں نے پوچھا۔

نہیں..... مجھے چوری چھپے جی پی فنڈ نکلوا کر لے جانے کا صدمہ بھی نہیں میرے بعد اسی کو ملنا تھا۔ مجھے باپ کی زمینیں بیچنے کا صدمہ بھی نہیں، وہ کون سا قبر میں لے کر جانا تھیں..... مجھے فلموں میں کام کرنے کا بھی دکھ نہیں میں نے اسے ورثے میں دیا ہی یہ تھا..... مجھے صدمہ بس یہ تھا..... پھوپھو کا سینہ اوپر نیچے ہونے لگا..... جس ہندو عورت سے اس نے شادی کی اس نے گھر میں مندر بنا لیا ہے..... میرا بیٹا اور وہ دونوں صبح بھجن گا کر دن کا آغاز کرتے ہیں..... مجھے صدمہ اس بات کا ہے میری نسل ہندو ہوگئی..... اتنا بھیانک انجام نکلا میرے شوق کا!

اسی صدمہ سے ڈھے گئی مجھے تو بعد میں جا کر احساس ہوا کہ اس سے بھی بڑا دکھ یہ ہے کہ میں نے جو حکم عدولی کی اپنے رب کی، وہ دن میں کچھ گھنٹوں کی ہوتی تھی جب میں وی سی آر کے سامنے بیٹھی رہتی تھی۔ میری کوکھ سے پیدا ہوا میرا بیٹا ہر سانس پر ہر لمحے کی حکم عدولی کر رہا ہے۔ مشرک عورت سے نکاح نہ کرنا میرے رب کا حکم ہے اور وہ بدبخت شیطان سے بھی آگے نکل گیا، اس کی ایک حکم عدولی کی تھی..... یہ ہر لمحے کا نافرمان، رب کا نافرمان گناہگار! میں رب سے معافیاں مانگتی ہوں، توبہ تلا کرتی ہوں پر مجھے قرار نہیں آتا۔ جس آگ سے بچنے کی دعا ہم ہر سانس پر کرتے ہیں، آنکھ بند کرتے ہی اس آگ میں اس کی چتا ڈال دی جائے گی..... پھوپھو سینے پر دوہتڑ مار کر بولیں۔

ہائے مجھے قرار کیسے آئے؟

پھوپھو تو قرار مانگتے مانگتے، اللہ کے پاس پہنچ گئیں لیکن میرے لئے سلمان خان، عامر خان، شاہ رخ خان اور عمران خان کے نام اجنبی بن گئے..... میں نے سب سی ڈیز ضائع کر دیں..... لیکن ہر نماز کے بعد میں پھوپھو کے لئے مغفرت اور ان کے بیٹے کے لئے ہدایت کی دعا کرنا نہیں بھولتی..... شاید کا تب تقدیر نے پلٹ آنے کا کوئی لمحہ اس کی زندگی میں چھپا رکھا ہو..... شاید''۔

آنٹی ثریا کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی اور نگاہیں دور افق پر تھیں۔

☆.....☆.....☆

بے خبری

اذان کی آواز آ رہی تھی لیکن مدیحہ تک پہنچ رہی تھی یا نہیں اس میں شک تھا۔ امی کو تو یقین تھا شک نہیں..... کہ مدیحہ نے آواز سن کر ہی کانوں پر ہیڈ فون چڑھائے تھے تاکہ اذان کی آواز نہ آنے کا بہانہ گھڑا جا سکے۔

یہ تو معمول ہی تھا۔ جب تک امی دو تین دفعہ جھڑکیاں دے دے کر نماز کے لیے نہیں اٹھاتیں مدحو کے کان پر جوں بھی نہ رینگتی۔ دادی اماں باورچی خانے سے نکل کر مدحو کا شانہ ہلاتیں تب جا کر وہ اٹھتی۔

''ماں کی ڈانٹ کا انتظار کر رہی ہو؟''

دادی اماں کی پیار بھری تنبیہ پر وہ کانوں سے ہیڈ فون اتارتی اور اُن کی آنکھوں میں جھانک کر کہتی۔ ''اذان ہو گئی ہے کیا؟''

''دیر ہوئی..... تیری ماں غصے میں ہے۔''

''ہونہہ انھیں اس کے علاوہ اور کیا کام ہے، غصہ تو ہر لمحہ ان کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔''

''تو بیٹا بلاوا ہی تو دیا ہے اس نے۔''

''بلاوا کہاں دیا ہے دادی اماں..... امی تو بس پیچھے ہی پڑ جاتی ہیں، دل چاہتا ہے کہ ڈھیٹ بن کر کچھ دیر اور بیٹھی رہوں۔''

دادی اماں مدیحہ کو دیکھ کر رہ گئیں اور مدیحہ شرارت سے مسکراتی ہوئی کمپیوٹر کی اسکرین بند کر کے اٹھ گئی۔

خوبصورت سیاہ بالوں کے لچھے چہرے کے گرد ہالہ بنائے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور صحت مند گندمی رنگت مدیحہ کی خوبصورتی کا باعث تھیں۔ لیکن سب سے بڑی وجہ اس کی سادگی اور بے پروائی تھی۔ بناوٹ سے پاک اور معصوم حسن..... دادی کی چہیتی پوتی تھی۔ ان کی نگاہیں تو ہر لمحہ اس کی نظر اتارتی رہتیں اور زبان پر دعائیں رہتیں۔

کتنی دفعہ انھوں نے نور جہاں، اپنی بہو کو بچوں کی تربیت کے بارے میں نصیحت کی تھی کہ ہر عمر میں بچوں کے لیے ایک ہی طرح کا لہجہ اور انداز مناسب نہیں ہوتا۔ جوں جوں بچے بڑے ہوں تم کو بھی اپنا انداز بدلنا چاہیے..... دوستانہ، مخلصانہ انداز..... چھوٹے موٹے اچھے اچھے مشورے..... بچوں کے کپڑے، فیشن اور دوسرے شوق کے بارے میں کچھ بات چیت..... ان کے اسکول اور دوستوں کی باتیں کسی طنز، طعنہ یا نصیحت کے بغیر!

بس بچوں کی عمر کے ساتھ جب ٹین (teen) کا لاحقہ لگ جاتا ہے، پھر تو انھیں یہ تین انداز دنیا کے خراب ترین انداز لگتے ہیں جن کو وہ ہرگز سننا نہیں چاہتے۔ ویسے کون ہے جس کو یہ اچھے لگتے ہیں؟؟

لیکن نور جہاں کو اس قدر مصروفیت تھی کہ بات کو ٹھیک سمجھنے کے باوجود اس پر عمل کرنے کے لیے ان کے پاس وقت نہ تھا۔

صبح تینوں بیٹوں اور اکلوتی بیٹی کو اسکول بھیج کر گھر اور کھانے کی تیاری کے دوران ان کو ایک دو دفعہ باہر کا چکر لگانا بھی پڑ جاتا تھا۔ پھر بچوں کی آمد کے ساتھ انھیں کھانا دے کر آرام کرنے بھیجتی ساتھ ہی ان کے خود کے بلاوے آنے لگتے..... فلاں جگہ کلاس ہے فلاں سے ملاقات کے لیے جانا ہے۔ ساتھ میں دو سہیلیوں نے بازار کے لیے کہا ہے کہ انھیں اُن کی پسند پر بڑا بھروسا تھا۔ نور جہاں کو ان کے لیے بازار نکلنا پڑتا۔ پھر واپسی آٹھ بجے سے پہلے ہونا ممکن نہ ہوتی۔ آٹھ بجے بھی اس لیے کہ محمود صاحب کے آنے کا وقت ہو جاتا تھا۔ جن کی خاص ہدایت تھی کہ میرے آنے سے قبل گھر پر لازماً ہونا چاہیے۔ بس پھر ان کی شوہر کے ساتھ مصروفیت ہو جاتی۔ پھر بچے بھی دن بھر کے تھکے ہوئے ہوتے تو ان کو بھی کھانے اور ہوم ورک کے بعد جلد سونے کی عادت تھی، اور صبح پھر وہی روٹین۔

لڑکے تینوں شام کو باہر نکل جاتے لیکن مغرب کے بعد لازماً گھر

میں ہوتے۔ ماں باپ دونوں کی سخت ہدایت تھی کہ مغرب کے بعد ہرگز باہر نہیں رہنا ہے۔لیکن ہدایت پر عمل دادی کی سختی کراتی تھی ورنہ تو آٹھ بجے تک خود ماں باپ دونوں کا پتہ نہیں ہوتا تھا۔

خرم کو پرسوں گھٹنے میں چوٹ لگی تھی۔ سلیم اور ساجد دونوں پکڑ کر سہارے سے گھر لائے تھے۔ دادی تو ایک دم گھبرا گئیں۔

''کیا ہوا ہے اسے؟؟''

''کچھ خاص نہیں دادی! کرکٹ کھیلتے ہوئے جھگڑا ہو گیا تھا۔جنید نے دھکا دیا تو گھٹنے میں چوٹ لگ گئی۔''

دونوں نے دادی کو اطمینان دلایا لیکن انھیں گھبراہٹ تھی۔ گھٹنا سوجا ہوا لگ رہا تھا اور خرم پورا پاؤں زمین پر نہیں رکھ پا رہا تھا۔تیل لگا کر کپڑا باندھا۔ دل تو یہ تھا کہ ڈاکٹر کو دکھایا جائے لیکن باپ آجائے تو لے کر جائے یہ ہی سوچ کر بیٹے کا انتظار کر رہی تھیں۔

''دیکھوں تو شاید تمھاری ماں جلدی آجائے تو ڈاکٹر کے پاس لے کر جائے.....''

''ارے چھوڑیں دادی جان انھیں ہماری فکر نہیں ہے۔ محلے بھر کے غم انھیں لاحق ہیں۔''

ساجد نے سوکھا سا منہ بنا کر دادی کو دیکھا۔ سلیم اور خرم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر خاموش رہے۔ دادی نے پوتوں کو غور سے دیکھا۔ جہاں دیدہ تھیں بھانپ گئیں، بات کچھ اور ہے۔

''سچ سچ بتاؤ.....خرم کو چوٹ کیسے لگی؟'' انھوں نے ذرا غصے سے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

''کس سے کس بات پر جھگڑا ہوا.....نہیں بتاؤ گے تو پھر تمھارے ابا پوچھیں گے اپنے طریقے سے.....'' دادی نے دھمکایا۔

خرم تو چپ تھا لیکن سلیم اور ساجد نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ایک ہی بات ان دونوں کے ذہن میں آئی کہ اس طرح تو بات بڑھ جائے گی۔ دادی کو بتا دینا زیادہ بہتر ہے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں معاملہ طے کر لیا گیا۔

''دادی بات یہ ہے کہ جنید کہہ رہا تھا کہ تمھاری بہن تو ماڈل لگتی ہے.....اسی بات پر خرم کو غصہ آ گیا۔ پھر دونوں میں جھگڑا شروع ہو گیا۔'' ساجد نے آہستہ آہستہ دادی کو بتایا۔

دادی ایک دم ہوشیار ہو گئیں کہ معاملہ تو واقعی سنگین لگتا ہے۔

''جنید نے مدیحہ کو کہاں اور کیسے دیکھا؟'' دادی نے پوچھا۔

''نہیں اس نے تو مدیحہ کی فیس بک پر تصویریں دیکھ کر کہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ کیا زبردست پوز ہوتے ہیں۔'' تینوں بھائیوں کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

دادی کو مدیحہ کا ''سیلفی'' لینے کا انداز یاد آ گیا۔طرح طرح کے بال بنا کر..... بال بکھرا کر.....''اچھا تو ان تصاویر کو فیس بک پر بھی دے دیتی ہے۔ یہ تو خطرناک ہے۔''

انھیں ایک مسئلے کی جڑ سے دوسرا مسئلہ پیدا ہوتا نظر آیا۔اس وقت وہ خاموش ہو گئیں۔خرم کو ڈاکٹر کو دکھایا گیا۔شکر ہے کہ ہڈی سلامت تھی۔کئی دن گزر گئے۔

دادی مدیحہ سے بات کرنا چاہتی تھیں لیکن کچھ اس طرح کہ اس کو وہ نصیحت نہ لگے بلکہ وہ معاملے کی سنگینی کو سمجھے اور احتیاط سے کام لے .....وہ جانتی تھیں کہ لڑکی کی عزت کانچ سے نازک ہوتی ہے.....اور یہ موئے کمپیوٹر اور انٹرنیٹ پہلے زمانے کے بدمعاشوں سے بڑھ کر خطرناک ہو سکتے ہیں اگر کوئی شاطر انھیں استعمال کرنے پر آئے تو.....

اس دن انھوں نے مدیحہ کو پھر اپنے موبائل سے اپنی تصویریں لیتے دیکھا۔طرح طرح کے پوز بنا کر.....

''مدحو.....یہ تصویریں کیوں لے رہی ہو؟''

''دادی میں انھیں اپنے فیس بکس پر سہیلیوں کے لیے لگاتی ہوں۔کیا زبردست رسپانس ملتا ہے.....دادی میری تو سہیلیاں کہتی ہیں کہ ساری ماڈلز تمھارے آگے پانی بھرتی ہیں۔''

''بات تو ٹھیک ہے میری مدحو ہے ہی اتنی پیاری.....''

مدیحہ نے دادی کی بات پر خوش ہو کر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

''مدحو! لیکن یہ بات اگر کوئی لڑکا کہے تو کیسا لگے؟''

''ہائے اللہ دادی! آپ بھی بس کیسی بات کرتی ہیں۔'' مدحو کے گال گلابی ہو گئے۔

''میری جان اس دن ایسا ہی ہوا تھا..... پھر خرم اپنے دوست سے لڑ پڑا تھا۔ معاملہ اس وقت دب گیا لیکن بات بڑھ بھی سکتی تھی۔ تمھارے بھائی اور اس کے دوست ابھی بچے ہیں۔''

دادی نے مدیحہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ انھیں خوف کی پرچھائیں نظر آئی۔

''میری گڑیا..... میری مدحو اتنی پیاری ہے..... لیکن اگر اس حسن کا گلی گلی چرچا ہو تو..... یہ جان لیوا بن جاتا ہے..... اور یہ فیس بک اسی کام کے لیے ہے..... تمھاری سہیلیوں کے تعریفی جملے تم کو خوش کرتے ہیں۔ لیکن اگر تمھاری سہیلیاں ان تصویروں کو اپنے فیس بک پر لگاتی ہیں یا کھولتی ہیں تو کون کون دیکھتا ہے..... اور کیا کیا ''کمنٹس'' دیتا ہے پھر ان تصویروں کو کوئی بھی شاطر اور چالباز کیسے کیسے استعمال کر سکتا ہے..... تم کو تو اندازہ بھی نہیں۔''

مدیحہ منہ کھولے دادی کو دیکھ رہی تھی..... دل ہی دل میں سوچ رہی تھی..... یہ ساری باتیں تو مجھے معلوم تھیں میں نے اس طرح نہیں سوچا کبھی خیال بھی نہیں کیا کہ ایسا میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ آنکھیں بند کر کے دادی کے سینے سے لگ گئی۔ بند آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی گر کر دادی کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔

دروازے پر کھڑی نور جہاں نے دادی پوتی کے ڈائیلاگ سن لیے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی میں بھی کس قدر بے خبر ماں ہوں..... یہ ساری باتیں تو میرے سمجھانے کی تھیں..... لیکن لوگوں کو سمجھانے میں مصروف ہو کر میں اپنے گھر کو بھول بیٹھی۔ اماں نے کس قدر سمجھداری سے بات بھی کی اور مسئلہ بھی حل کیا۔ واقعی بزرگ گھر کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔ تجربہ کاری اور سمجھداری کے ساتھ ایسے مسائل حل کرتے ہیں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے..... لیکن نور جہاں بیگم تم کو بھی بے خبر نہیں باخبر بننا چاہیے ورنہ حادثے کے بعد آنکھیں کھولنا تو ایسا ہی ہے کہ جیسے سانپ کے جانے بعد لکیر پیٹنا.....

اس نے اپنے آپ کو مخاطب کیا اور آگے بڑھ کر بیٹی اور ساس دونوں سے بانہیں پھیلا کر لپٹ گئی۔

نصرت یوسف

سفر شناس

کہنے والے کہتے تھے سراج مغل مٹی میں بھی ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔

''پھر بھی بھئی..... بڑا انسان پرور ہے۔''

یہ اضافی جملہ بھی اکثر ہی اس کے بارے میں گردش کرتا، انسان وسائل کے لحاظ سے، صلاحیت کے لحاظ سے پہاڑ جتنا بلند کر دیا جائے تو ذرا سا خم بھی لوگوں کو خاصا نمایاں لگتا ہے۔ اس خم کے چرچے زیادہ ہوتے ہیں۔ اب چاہے یہ خم اندرونی گردشی لہروں اور تبدیلیوں کی بنا پر آیا ہو یا بیرونی مزاحمتوں نے طاقت کے اس پہاڑ کو کچھ نیچ نوائی دکھائی ہو، یا پربت کی اپنی انکساری ہو بہر حال اس کا پتہ نہیں چل پاتا، ہاں خبر ضرور بن جاتی ہے۔ سراج مغل بھی ہر وقت کی تازہ خبر شہر کے بااثر طبقے کیلئے تھا۔ اب تو دائرہ بڑھ کر ملک اور ملک سے باہر موجود دیسی طبقے تک جا رہا تھا۔ بنیادی طور پر بلڈر تھا لیکن ہر شعبے میں قسمت آزمائی نے اسے خاصا مہم جو بنا رکھا تھا۔ اس کا اپنا کہنا تھا۔

''اب دنیا میں جینے کیلئے اور وہ بھی ڈھنگ سے جینے کیلئے انسان کو دو میں سے کوئی ایک سودا بہر حال کرنا پڑتا ہے۔ جان بچا لو یا ضمیر، جس کا جیسا حوصلہ!''

کوئی نہ بھی چاہے تو شر سے مصالحت کرنی پڑتی ہے۔ یہ سراج مغل کے خیالات تھے۔ ان خیالات کے ساتھ اور طاقتور ہونے کے باوجود وہ نیک نام اس لئے نظر آتا تھا کہ تہہ میں سے مصافحہ ہی کرتا بغل گیری نہیں شرارتیں رنگین تھیں سنگین نہ تھیں۔ ایسا نہ تھا کہ ممنوعات پیش کرتا لیکن آنے والے ''معززین'' اپنے ساتھ لاتے تو ممانعت بھی نہ تھی۔ کسی کو دھونس نہ دیتا لیکن کاروبار کے نام پر رواداری برتنا بھی طریقہ نہ تھا اور پھر صدقہ خیرات کے نام پر مال کثیر خرچ کر ڈالتا۔ بلا مبالغہ کتنے انسان دستِ دعا بلند کرتے اسے یاد رکھتے، کیونکہ بظاہر وہ انکا ولی و سرپرست تھا۔ حیرت انگیز طور پر اسکا اپنا گھر اس کے اختیارات اور وسائل سے یکسر مختلف تھا۔ ایک عمومی عمارت جو کہ نگاہوں کو خوشحال مکینوں کا تاثر ضرور دیتی لیکن سراج مغل کا نام نہ پکارتی۔ سراج کی مادی ترقی میں خاندانی وسائل کا بڑا دخل تھا۔ پشت در پشت سے یہ خاندان کاروباری طور پر خوب مضبوط تھا۔ اس لئے ان کی روایات میں اگر وقار تھا تو بے لچک بھی تھیں۔ کہنے والے کہتے تھے کہ سراج مغل کی ماں خاصی بردبار عورت ہے اور اس کی بیوی سنجیدہ مزاج کی سلجھی ہوئی لڑکی۔ عام بیگمات جیسے طرز زندگی سے نابلد ہی لگتی ہے۔ نہ جانے دونوں میاں بیوی کی نبھتی کیونکر ہے۔ یہ دونوں یکسر مختلف انسان ہیں۔ سراج ہر دم متحرک اور نئی دنیائیں کھوجنے کا متمنی جبکہ بیوی عاتکہ دھیما بہتا چشمہ جو شاید کبھی ساکت تو کبھی بے آواز متحرک۔

بڑے چاؤ سے بہو بنائی گئی وہ سراج مغل کی اکلوتی خالہ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ سراج سے اس کی شادی پندرہ برس قبل بیس سال کی عمر میں غیر متوقع طور پر ہوئی۔ سراج مغل کی ستائیسویں سالگرہ کے لمحات شروع ہی ہوئے تھے۔ بھیگی رات تھی، وہ ماحولیاتی آلودگی پر ہونے والی عالمی کانفرنس میں شرکت کر کے لوٹا تھا۔ تعمیراتی کام کے کاروبار کی ابتدا کسی نامی گرامی کمپنی کے ساتھ مل کر انہی دنوں اس نے کی تھی۔ اپنا پہلا پروجیکٹ وہ کانفرنس میں بتائے گئے معیارات کے مطابق مکمل کرنا چاہ رہا تھا۔

اس شام وہ آئینے کے آگے کھڑا خوشبو میں اپنے آپ کو بساتے ہوئے نہایت خوش باش لگ رہا تھا کہ کمرے کے دروازے پر دھیمی سی دستک ہوئی۔ قدم بڑھا کر آبنوسی ہینڈل پر اس نے دباؤ ڈالا اور حیران رہ

گیا۔ سامنے اس کی ماں نسرین مغل تھیں۔ ان کے چہرے پر خاصا اضطراب تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر لمحہ بھر وہ خاموش رہیں جیسے الجھن میں ہوں کہ کیا بات کریں۔

''کوئی مسئلہ ہے امی؟'' اس نے ماں کے کندھے پر بازو پھیلائے۔

''عائکہ کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔''

ان کا جملہ سراج کو بڑا عجیب لگا خبر خوش کن نہ تھی لیکن ایسی بھی نہ تھی کہ جوان جیسے گھرانوں کیلئے صدمہ عظیم کی طرح لی جائے اور اس کو سنانے کے لئے اسے امید نہ تھی کہ اس کی ماں اتنی پریشان کیفیت میں آسکتی ہیں۔ اس لئے ''اوہ!'' کے سوا اس کے منہ سے کچھ نہ نکلا۔

''ماحولیاتی آلودگی کا مسئلہ واقعی خطرناک ہو چکا ہے'' بس یہ بات سراج مغل کیلئے ان دنوں اہم تھی اسے کوفت ہوئی کہ بس ''اس خبر'' کو سنانے کے لیے اس کی ماں روایتی لوگوں کا سا انداز اپنا چکی ہیں، وہ نسرین مغل کے اتنے غیر اہم معاملہ کو خواہ مخواہ کی دردسری بنا دینے پر الجھن میں مبتلا ہو گیا۔

''اگر تم عائکہ سے شادی کر لو!'' نسرین مغل کا یہ دوسرا جملہ تھا جو پہلے سے کہیں زیادہ عجیب تھا۔

بے اختیار سراج مغل نے جواب دینے کے بجائے کھڑکیوں پر موجود دبیز پردے سمیٹ دیئے۔ شام ڈھل رہی تھی اور ماں جواب کی منتظر۔

''آپ کو پتہ ہے میں کیا چاہتا ہوں۔ آج نہیں تو کل میں نے جیکولین ہی سے شادی کرنی ہے۔ کسی اور سے شادی کا کیا سوال! عائکہ کی منگنی ختم ہونا کوئی ایشو تو نہیں، کل کسی اور اچھی جگہ ہو جائے گی، ہماری کلاس میں یہ چیزیں کبھی مسئلہ تو نہیں بنتیں امی! پھر آپ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہی ہیں۔'' چند ثانیوں کے بعد وہ بولا تو اس کی آواز میں درشتگی تھی۔ جیکولین سے جڑا کوئی بھی معاملہ اسے جذباتی کر دیا کرتا تھا۔

نسرین مغل نے سر اٹھا کر اپنے لمبے چوڑے بیٹے کو دیکھا جس کی ذہانت اور محبت پر انہیں ہمیشہ فخر تھا۔ اور دھیمے قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ ساتھ ہی سراج مغل کا دل ہر چیز سے بیزار سا ہونے لگا۔ چند لمحوں قبل وہ انتہائی تازہ موڈ میں تھا اور اب جیسے زردی سی ڈھلتے سورج کی روشنی کی طرح خیالات پر اتر آئی تھی۔

جوتے اتار کر اس نے آرام دہ سلیپر پیروں میں ڈالے اور ماں کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ڈیڈی بھی کاروبار کے سلسلے میں سنگاپور میں تھے۔ اس لئے بھی وہ اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کر رہا تھا۔ نسرین مغل نے آرام چیئر پر بیٹھے آہٹ محسوس کی تو گردن ترچھی کر کے آنے والے کو دیکھا اور خاموش ہی رہیں۔ سراج کو حیرت تھی کہ آخر ماں کی محض عائکہ کے معاملہ پر اتنی دلگرفتگی کی وجہ کیا ہے ایک بار پھر امیدواروں کی قطار لگ جائے گی۔ ان کی زود رنجی منیر مغل کو بھی اکثر جھنجھلا دیا کرتی، وہ خود مضبوط اعصاب اور اپنے فیصلوں کو بزور منوانے والے تھے یہ ان کی محبت تھی کہ نسرین میں بھی مضبوطی آ گئی تھی لیکن جڑوں میں پیوست خاصیتیں کبھی کبھار ابھر ہی آتی ہیں اس وقت بھانجی کی خبر نے ان کو منتشر سا کر دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ عائکہ کو انہوں نے بیٹی نہ ہونے کی بنا پر ہمیشہ اپنی اولاد کی طرح چاہا تھا اور اب منگنی ختم کرنے کی اتنی عجیب وجہ سامنے آئی کہ وہ اس کے مستقبل کیلئے خاصی متفکر ہو گئیں۔

عائکہ اپنی کالج کی دوستوں کے ساتھ مقامی ہوٹل میں لگی قیمتی پتھروں کی نمائش دیکھنے گئی تھی۔ اس کا سفید چادر میں لپٹا ہوا سادہ سا وجود اس ماحول میں خاصا نمایاں ہو رہا تھا لیکن نہایت خود اعتمادی سے وہ ادھر موجود تھی۔ اس کا اعتماد اپنی جگہ لیکن دو کالی سیاہ آنکھیں مستقل اسے فوکس کر رہی تھیں۔ سفیر عالم کی پچھلے ہی ہفتہ اس سے منگنی ہوئی تھی اور وہ اس کو چادر کے باوجود پہچان چکا تھا۔ اس کی والدہ نے اسے لڑکی کی خصوصیات میں پہلے نمبر پر اس کی سادگی اور سعادت مندی بتائی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اس کو اپنی مرضی سے ڈھال لے گا۔ آج اسے یہاں اس حلیے میں دیکھ کر سفیر عالم کے دل و دماغ میں مستقبل کے مناظر کی تصویر کشی متحرک ہو چکی تھی۔ اس نے چڑ کر عائکہ کو ہال سے باہر جاتے دیکھا۔ نمائش کا آخری دن اور اختتامی اوقات تھے، لوگوں کا رش بھی زیادہ تھا اور اسٹال مالکان کا جوش و خروش بھی۔ جیم اینڈ جیولری کی اس

نمائش میں مخصوص طبقہ بھی سرگرم تھا، دکاندار بھی نسل درنسل اس صنف سے منسلک اور گاہک بھی عمومی دنیا کے بکھیڑوں اور جھنجھٹوں سے ناآشنا قوم۔ رنگ برنگے قیمتی پتھر، موتی، ہیرے، اوپل نہایت دیدہ زیب زیورات کے نمونوں میں جڑے بے انتہا پرکشش تھے۔ عاتکہ کا بھی بظاہر یہاں آنا ممکن نہ تھا اگر اس کی دوست کو یہ شوق نہ ہوتا اور سفیر کا پایا جانا بھی قرین قیاس نہ ہوتا اگر وہ ہوٹل اپنے دوست سے ملنے نہ آتا جو بیرون ملک سے اپنے آبائی علاقے میں جانے سے قبل دو دن کیلئے اس ہوٹل میں رکا تھا۔ دوست سے مل کر وہ نکلا تو پل بھر کی وقت گزاری کیلئے نمائش میں آ گیا۔ عاتکہ کو ہال میں داخل ہوتا دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی، وہ شاید آگے بڑھ کر اس سے ہائے ہیلو بھی کر لیتا لیکن پھر کسی خیال کے تحت ایک آڑ میں کھڑے ہو کر اس کی حرکات وسکنات کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ اس کی جھکی ہوئی براؤن غلافی آنکھوں اور سادہ چہرے کو دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ بن سنور کر یہ لڑکی کس قدر من موہنی لگتی ہے۔ اس کے تصور میں منگنی کے فوٹوز آ گئے اور وہ مزید دلچسپی سے اس کی ایک ایک جنبش پر نگاہ جماتا گیا۔ ''کندھے جھکا کر چلتی ہے۔ اچھی بھلی چال میں بے ڈھنگا پن آ جاتا ہے۔'' اس نے تنقیدی تبصرہ دل میں کیا۔ ''لیکن پھر بھی باوقار ہے۔'' اس نے اوپل کا بروج عاتکہ کو اٹھاتے دیکھا اور آگے جنبش کی تو قد آدم لگے آئینے پر عاتکہ کی پشت کا عکس ابھر آیا سیاہ سینڈل سے عاتکہ کی نرم ایڑیاں جھلک رہی تھیں۔ یہ سب تجزیہ اپنی جگہ لیکن عاتکہ کے حلیے اور اعتماد نے سفیر کو اتنا چوکنا کیا کہ اسے لگا کہ آزادی اور رنگینی کی جو زندگی اس کا خیال وخواب ہے، اس لڑکی سے شادی کی صورت میں وہ خیال وخواب ہی ہو جائے گی اور پھر مستقبل میں کسی انتشار سے بچنے کیلئے اس نے اس رشتہ سے کنارہ کش ہونے کا فیصلہ آناً فاناً کر ڈالا۔ عمومی طور پر وہ کسی سوچ پر عملدرآمد میں اتنی جلدی نہ کرتا تھا جتنا اس نے زندگی کے اس موڑ پر اتنے اہم معاملے کیلئے کر ڈالا۔

اپنے دوست فرقان کی پیچیدہ زندگی اس کے سامنے تھی۔ دو مختلف تصورات زندگی کے لوگ ایک چھت تلے زندگی گزار رہے تھے۔ شادی سے پہلے کے love birds اینگری برڈز میں تبدیل ہو چکے تھے۔ حالانکہ یہ اختلاف پہلے بھی شدید تھا لیکن کچھ دیر کیلئے ملنے اور زندگی ساتھ بتانے میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا حشر بھی فرقان جیسا ہو۔ سو عاتکہ سے رشتہ ختم کروا دیا گیا۔

عاتکہ کے گھر والوں کیلئے یہ سب اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ تحیر کے عالم میں تھے یا افسوس کے، خود نہ سمجھ پا رہے تھے۔ ابھی دو دن قبل ہی تو عاتکہ کیلئے اس کی سالگرہ کا کیک اور بکے سفیر کی طرف سے اس کی بہنیں لے کر آئی تھیں۔ عاتکہ نے اس دن زیتون کے رنگ کا سلک کا لباس پہنا تھا جو اس کی رنگت پر خوب بہار دکھا رہا تھا اور اب محض دو دن بعد سفیر کے والدین کتنی سہولت سے یہ کہنے چلے آئے تھے کہ وہ یہ رشتہ ختم کر رہے ہیں۔ ''ہمیں آپ سے یا آپکی بیٹی سے کوئی بھی شکایت نہیں لیکن کچھ ناگزیر وجوہات کی بنا پر ہم بہت مجبور ہیں۔'' یہ سفیر کے والد کا اختتامی جملہ تھا۔ اور اس کے بعد ان دونوں خاندانوں کے راستے جدا ہو گئے تھے۔ آپس میں نہ تلخ کلامی کی آوازیں بلند ہوئیں نہ کوئی آتش فشاں پھٹا۔ ایک گھمبیر خاموشی تھی جو چھا گئی تھی۔ فیصلہ سنانے والوں نے بھی دھیمی آواز رکھی تھی اور سننے والوں نے بھی دامن نہ پھیلایا تھا۔ وہ باوقار لوگ تھے۔ جانتے تھے سفیر عالم نہ سہی کوئی اس سے بہتر ان کی بیٹی کے مقدر کا ستارہ بنتا ہے۔ 'کیوں' 'کیسے' جیسے سوالات ان لوگوں سے کرنے جو ناطہ برقرار رکھنے میں راضی نہیں، عاتکہ کے والد کو اپنے، اپنی بیٹی اور اپنے گھر والوں کی آن بان کے شایان شان نہ محسوس ہوئے اور سفیر عالم کے گھر سے آئے تمام تحائف اسی وقت ان لوگوں کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے۔

اور پھر چار دن بعد ہی سراج مغل کا رشتہ آ چکا تھا۔ وہ کیسے راضی ہوا، یہ کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ صرف جیکولین جانتی تھی، جس نے سراج کو یہ کہہ کر حوصلہ دیا تھا کہ تمہارے دین میں پولی گیمی (ایک سے زیادہ بیوی) کی گنجائش موجود ہے تمہیں اپنی ماں کی بات مان لینی چاہیے۔ سراج مغل نے نہایت حیرت سے اس کی بات سنی تھی۔

''تمہیں کچھ اندازہ ہے جیکی تم کیا کہہ رہی ہو، تم خود اپنے ہاتھوں مجھے دھکا دے رہی ہو۔''

وہ خاصا برہم تھا جیکولین نے اپنے اخروٹی بالوں کے لچھوں پر انگلیاں پھنسائیں اور سامنے بیٹھے اس شخص کو غور سے دیکھا جس کے لئے وہ اپنا وطن برازیل تک چھوڑ آئی تھی۔

پاکستان وہ اسٹڈی ٹور پر آئی تھی، یہاں سراج مغل سے یونیورسٹی میں ملاقات اتنی طاقتور بنی کہ پھر پانچ سال ہو گئے لوٹ کر ہی نہ گئی۔ بیچ میں کبھی گئی بھی تو کاغذی کارروائی کی ضرورت کے تحت ورنہ کراچی یونیورسٹی کا ہوسٹل ہی اس کا مسکن بن چکا تھا۔ برازیل میں موجود اس کا انجینئر باپ اپنی اکلوتی اولاد کیلئے مٹھی بھر رقم بھجواتا تو پاکستانی کرنسی میں وہ کثیر سرمایہ بن کر اس کو کافی ہو جاتی تھی۔ نہ غم معاش تھا اور نہ غم جاناں۔ دونوں ہی پہلو سے مطمئن جیکولین پاکستان میں سراج مغل کی محبت میں رہ رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ سراج کے ساتھ اس کی زندگی گل وگلزار بننے والی ہے لیکن یہ یقین اس وقت متزلزل ہونے لگتا جب وہ سراج کی فیملی سے ملتی، ہر ایک کی آنکھوں میں شکوک کی پرچھائیاں اسے واضح نظر آتی تھیں۔ زبان سے وہ لوگ کچھ نہ کہتے لیکن ان کی ہر نگاہ جیکولین کو یہ کہتی کہ وہ اپنی حدود میں رہے، سراج مغل کے آشنا لوگوں کے دائرے سے نکل کر اس کے خانگی دائرے میں قدم رکھنے کی جسارت نہ کرے۔ اگر اس نے ایسی جرأت کی تو اس کو خاندان کے فرد کے طور پر قبول نہ کیا جائے گا۔

سراج مغل کو اگر جیکولین سے محبت تھی تو اپنے گھر والوں سے بھی محبت در محبت تھی۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ جیکی کا اس کی فیملی میں قبول ہونا مشکل ہے، لیکن مخالفت میں اڑ جانا بھی ممکن نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو ہر پہلو سے اتنا اثر انگیز بنانا چاہتا تھا جہاں وہ جیکولین کو اپنی فیملی سے جدا رکھ کر زندگی کے معاملات خوش اسلوبی سے سنبھال سکے۔ لیکن یہ عاتکہ کے ڈرامے نے اس کو خاصا بدمزہ کر دیا تھا۔ اسے لگا جیسے قدرت نے اس کی ماں کو خصوصی عنایت کے ذریعے یہ موقع فراہم کیا ہے تاکہ جیکولین سے سراج کو جدا کر دیا جائے۔ وہ رب سے شاکی قسم کا بندہ نہ تھا لیکن اس معاملہ میں اس نے محسوس کیا جیسے جیکولین کی طرف جانے والے راستے جنہیں وہ بڑی محنت اور دماغ سوزی سے تیار کر رہا ہے عاتکہ کی محبت میں آ کر اس کی امی ڈائنامائٹ سے اڑا رہی ہیں۔ سراج مغل جانتا تھا کہ اس کی ماں ان عورتوں میں سے نہیں جو اولاد کو جذباتی دباؤ کا شکار کر کے اپنی بات کے ماننے پر اصرار کریں چاہے وہ کس قدر بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائیں۔ وہ بھی ان کی اولاد تھا۔ یہ سب جاننے کے بعد کیسے سکون سے رہ سکتا تھا۔ اسے جھنجھلاہٹ ہوتی تھی جب اس کی فیملی جیکی کیلئے بے تاثر ہو جاتی۔ ''سخت قدامت پرست لوگ کیوں بن جاتے ہیں یہ سب جیکی کے معاملہ میں'' وہ اکثر سوچتا مگر اسے کوئی جواب نہ ملتا۔ اس کی ماں نے محض اتنا کہا تھا کہ کسی غیر مسلم ہائی پروفائلڈ بیوی سے ایک عمومی مسلمان اس کے لئے زیادہ نفع بخش رہے گی۔ ''لیکن امی ہمارے دین میں صاحب کتاب سے رشتہ کی ممانعت نہیں پھر کیوں آپ لوگ جیکولین کو قبول نہیں کرتے؟''۔

ماں نے بیٹے کے آنچ دیتے لہجے کو محسوس کیا جو جیکولین کی چاہتوں میں ڈوبا تھا۔ ایسے میں کیسا نفع اور کیسا نقصان۔ جب کہ واقعی وہ حدود سے تجاوز بھی نہ کر رہا ہو۔ لیکن ماں کی نگاہیں بھانپ رہی تھیں کہ جیکولین کے اثرات کو مدھم کرنا سراج مغل کیلئے آسان نہ ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس کی نسل کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے، یہ سوچ ان کو لرزا دیتی تھی۔ نرم سا لودیتا جیکولین کے بولنے کا انداز، متاثر کن قد وقامت، کھلتا رنگ و روپ یہ سب کچھ ہی لوگوں کیلئے پرکشش تھا۔ اسکائی ڈائیونگ سے لے کر متوازن خوراک کے مشورے تک اس کی مہارتیں قابل تعریف تھیں اور اس پر طرہ کہ وہ ''امپورٹڈ برانڈ'' تھی سو سراج مغل کا خاندان بے شک اسے اہمیت دے یا نہیں اس نے ایک نئے ملک میں اپنے لئے بے شمار پرستار بنا لئے تھے۔ وہ طاقت اور اختیار میں سراج مغل تو نہ تھی لیکن اس کے مداحوں میں جو اسے سراج مغل کے بزنس میں اہم ترین مشورہ کار کے طور پر جانتے تھے بااثر لوگ تھے۔ رشک اور حسد دونوں جیکولین کے حوالے سے سراج کیلئے ظاہر بھی تھا اور پوشیدہ بھی۔ دوسروں کے اختیارات کی زد میں جیکولین اس لئے کبھی نہ آسکی کیونکہ اس کا سفارت خانہ لمحوں میں اپنے باشندہ کے ساتھ زیادتی پر ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا۔ سو وہ پوری آزادی سے اپنی من چاہی زندگی کا لطف اٹھا رہی تھی۔ اپنے ملک

میں شاید وہ اتنی مقبول اور معتبر نہ ٹھہرتی جتنی سراج مغل کے ساتھ نے اس کا اثر ونفوذ انسانوں کے درمیان پیدا کر دیا تھا۔ جس ماحول میں وہ پلی بڑھی تھی، اس کی خودمختاریاں اور خوداعتمادیاں اسی کا پرتو تھیں۔ کچھ کیلئے وہ توبہ توبہ کرنے کا محل تھی تو دوسروں کیلئے واہ وا کے قابل پراعتماد قابل عورت۔ جیسا دیس ویسا بھیس کے مصداق وہ سراج کے خاندان میں کبھی بھولے بھٹکے چلی بھی جاتی تو انہی جیسے حلیہ میں اپنا آپ ظاہر کرتی۔ ورزش نے اس کے جسم میں غضب کی کشش پیدا کر رکھی تھی جو بھی لباس پہنتی عموماً بہت سادہ کاٹن کا ٹراؤزر قمیض ہوتا تب بھی خوب جچتا۔ یہ سب ہوتے بھی سراج مغل کی عاتکہ سے شادی ہو ہی گئی لیکن جیکولین سے اس کے تعلق میں فرق تو کیا آتا، دونوں ایک دوسرے کے مزید قریب آ گئے۔ کہنے والے کیا کہتے ہیں، اس سے دونوں کو کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ طاقت اور اختیارات کی دنیا میں سراج مغل کا پلہ خاصا وزنی تھا۔ کوئی اگر کچھ کہتا بھی تھا تو اس کے نزدیک وہ آواز ایسی ہی تھی جیسی کائنات کی ان بے شمار آوازوں میں سے ایک جو انسان کو عمومی حالات میں اپنی جانب متوجہ بھی نہیں کرتیں۔ وہ موجود ضرور ہوتی ہیں لیکن انسان کو ان سے جدا رکھا جاتا ہے تاکہ وہ کائنات کے سسٹم میں صحیح طور پر زندہ رہ سکے۔

دونوں کو بے شک کوئی فرق نہ پڑا ہو لیکن عاتکہ، عاتکہ عارف سے عاتکہ مغل بن کر دنیا کیلئے کتنی بھی قابل رشک ہوتی جیکولین کو اپنے میاں کے قدم بہ قدم دیکھ کر بے کل تھی۔ سراج مغل کی شادی کی کوئی بھی تصویر مسکراتے لبوں کے ساتھ نہ تھی۔ بہت بردبار اور بہت باوقار انداز میں سارے فوٹوز تھے۔ لیکن جہاں جہاں مختلف تقریبات میں جیکولین کے ساتھ وہ نظر آتا تھا وہاں وہاں اس کی ہنستی مسکراتی تصاویر ہر جگہ موجود تھیں۔ اخباروں میں، رسالوں میں، البمز میں ہر جگہ لگتا تھا جیکی کی موجودگی کا نشہ ہے جو سراج مغل پر چھا رہا ہے۔ یہ تو بہت ہی شکر تھا کہ جیکولین نے شادی کی تقریبات میں کسی لمحہ کیلئے بھی قدم نہ رکھا ورنہ جب سے اس نے سراج مغل کیلئے وطن چھوڑ کر اس وطن کو اپنا بنایا تھا تب سے کوئی دن اس کے ساتھ کے بنا نہ گزرا تھا اور اب تو پورے تین دن سراج کے قریب بھی وہ نہ پھٹکی تھی۔ یہ تین دن وہ کہاں تھی، کسی کو بھی نہیں پتہ تھا۔ اس نے اپنا فون آف کر رکھا تھا اور وہ رہائش گاہ جہاں وہ رہتی تھی وہ وہاں سے بھی غائب تھی۔ صرف سراج مغل کو معلوم تھا کہ وہ تین دن کے لئے برازیل چلی گئی تھی اور صرف جیکولین کو معلوم تھا کہ ان تین دنوں کی تقریبات کی تصویریں اور تحریری رپورٹ تازہ بہ تازہ اس کو مل رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

عظمیٰ ابونصر صدیقی

ضمانت

جیسے جیسے شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے ناجیہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار ہوتی چلی جا رہی تھی، نجانے خوشی تھی، گھر والوں سے بچھڑنے کا غم تھا یا پھر ان دیکھے اندیشے جو اسے ڈرائے دیتے تھے۔ وہ اپنی اس کیفیت کو کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھی، شادی کے جوڑے اس کے سامنے پھیلائے جاتے تو وہ بس ہوں ہاں کر کے خاموش ہو جاتی..... ناجیہ دیکھو ناں کتنا خوبصورت کارڈ چھپوایا ہے بابا نے..... نبیلہ نے اس کے ہاتھ میں کارڈ تھمایا۔

سنہری اور میرون امتزاج کا سادہ اور نفیس سا شادی کارڈ..... جس پر اس کا نام ابھی اس کے والد کے نام کے ساتھ درج تھا، دل میں عجیب سی چبھن ہوئی اور وہ بے اختیار رو دی۔ یہ کیا ناجیہ.....؟ پاگل ہو گئی ہو کیا؟ نبیلہ اپنی بہن کو گلے سے لگاتی اپنے جذبات ضبط کرنے لگی۔ پگلی بس اچھی اچھی دعائیں مانگو اور آنے والے دنوں کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دو، بس اب رونا دھونا بند..... ورنہ اماں بابا سمجھیں گے کہ تم اس شادی سے خوش نہیں ہو۔ نبیلہ نے اسے ڈپٹا بابا کتنے پریشان ہیں۔ جہیز کا سامان، شادی کی تیاریاں اور اوپر سے ان کی اپنی طبیعت بھی کتنی خراب ہے۔ بس ان کے بارے میں سوچ کر رونا آ گیا تھا۔ ناجیہ بہت پیار سے کارڈ میں اپنے نام کے ساتھ چھپے بابا کے نام کا بوسہ لیا۔

چلو میں بابا کو بتا دیتی ہوں کہ ناجیہ کو تو کارڈ اتنا پسند آیا ہے کہ چومے ہی جا رہی ہے۔ نبیلہ شرارت سے کہتی وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ارے.....؟ ناجیہ جاتی نبیلہ کی پشت کو گھورتے ایک بار پھر سوچوں میں کھو سی گئی۔ سب کچھ ٹھیک ہے تو پھر دل میں سکون کیوں نہیں؟

مہمان خانے میں ناجیہ کے سسرال سے کچھ لوگ آئے بیٹھے تھے، کارڈ تو تقسیم ہو چکے تھے، مہر اور رسمیں، افراد و اوقات کے بارے میں حسب عادت بابا نے تحریری کام پورا کر رکھا تھا۔ نبیلہ اماں کے ساتھ جلدی جلدی ناشتہ لگانے میں مدد کر رہی تھی، مہمان خانے میں ناجیہ کا ہونے والا شوہر اپنے والدین اور بڑے بھائی کے ساتھ بیٹھا بابا سے محوِ گفتگو تھا۔

ناجیہ بھی کچن میں چلی آئی..... اماں کہاں ہیں؟ اتنے مہمانوں کے ہوتے ہوئے اتنی خاموشی کیوں ہے؟

ارے دلہن صاحبہ آپ یہاں کیوں آ گئیں؟ چولہے کے پاس آ کر کیوں ساری ابٹن اور فیشل کی محنت ضائع کرنا چاہتی ہو؟ نبیلہ نے اسے کچن سے باہر کیا۔

میں جو پوچھ رہی ہوں اس کا جواب تو دو؟ اس نے پھر پوچھا۔

اماں مہمانوں کے پاس ہی ہیں اور میرے قیاس کے مطابق تو دولہا میاں یقیناً آج ہی نکاح کی درخواست لے کر آئے ہوں گے نبیلہ یہ کہہ کر پھر کچن میں گھس گئی اور جلدی جلدی چائے پیالیوں میں انڈیلنے لگی، اور ناجیہ سر ہلاتی واپس اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی۔

اسی اثناء میں اماں باورچی خانے کی جانب آئیں تو نبیلہ نے چائے کی ٹرے ان کی جانب بڑھائی رہنے دو..... اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اماں کے لہجے میں کچھ تھا کہ نبیلہ چونک اٹھی کیا ہوا امی؟ وہ لوگ چائے پیئے بغیر ہی چلے گئے؟ سب ٹھیک ہے ناں؟ وہ ایک ہی سانس میں کئی سوالات کر گئی۔

ہوں..... تم وہاں سے ناشتے وغیرہ کے برتن اٹھا لو، میں ذرا ایک دو ضروری فون کر لوں۔ اماں یہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں اور نبیلہ مہمان خانے کی طرف، جہاں بابا اور دادی دونوں خاموشی کی زبان میں ایک دوسرے سے ہم کلام تھے، وہ خموشی سے ان کے چہرے پڑھتی، برتن سمیٹتی وہاں

سے چلتی بنی۔

ناجیہ کے سسرال والوں نے جہیز میں کار لینے کا مطالبہ کیا ہے، پہلے ہی وہ اشارے کنایوں میں مختلف چیزوں کی فرمائش کرتے رہے مگر اب تو پورا منہ کھول کر کہہ دیا کہ کار چاہیے.....اماں فون پر نانی سے محوِ گفتگو تھیں اور برابر والے کمرے میں موجود ناجیہ کو چند لمحے اپنی سماعت پر اعتبار نہ آیا، برداشت نہ ہوا تو اٹھ کر چلی آئی مگر جیسے ہی کمرے میں آ کر اماں کے آنسو بہتے دیکھے اسے نہ چاہتے ہوئے بھی یقین کرنا ہی پڑا یعنی میرے دل میں موجود اندیشے غلط نہ تھے..... بابا نے کس طرح اس کا جہیز بنایا تھا وہ بخوبی جانتی تھی، عجیب کرب کا لمحہ تھا جسے اب اسے ضبط کرنا تھا۔

رات تک مہمان خانہ ایک بار پھر بھر چکا تھا کچھ تو شاید ٹوٹ جانے والے رشتے کا پرسہ دینے آ رہے تھے لیکن پھپھو، تایا، چچا سب ہی بابا کے اس فیصلے کو درست فیصلہ قرار دے رہے تھے۔

اچھا ہے ناں ان لوگوں کی اصلیت پہلے ہی کھل گئی، لالچ اندھا ہوتا ہے بھائی۔کل کلاں نجانے کن کن چیزوں کی فرمائشیں آتی رہتیں، پھپھو نے اپنی رائے کا اظہار کیا تو باقی سب بھی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

مگر صفیہ اب تو کارڈز بھی بانٹے جا چکے ہیں پانچ دن بعد تو شادی کی تاریخ ہے، ہال بھی بک کروالیا ہے.....میرا تو دماغ کام ہی نہیں کر رہا کہ آگے کیا ہوگا.....؟

شاید مجھے یہ رشتہ توڑنا ہی نہیں چاہیے تھا یا میں نے بہت جلدی کی، بابا کی فکرمندی نے انہیں مزید بوڑھا کر دیا تھا۔

وقت پر شادی نہ ہوئی تو سب ہی میری معصوم بچی پر انگلیاں اٹھائیں گے۔اماں کوئی کم پریشان تو نہ تھیں۔

ارے بھائی جان آپ بہت پریشان ہو چکے اب ساری فکریں ایک طرف رکھیں، یہ میرا اسجد حاضر ہے، ماشاءاللہ ہر لحاظ سے ناجیہ کے قابل ہے اور آپ یہ نہ سمجھنا کہ میں کوئی ترس وغیرہ کھا رہی ہوں، اگر آپ نے ناجیہ کا رشتہ اتنی جلدی نہ کر دیا ہوتا اور اسجد کی نوکری کا مسئلہ نہ ہوتا تو میں کب کا دامن پھیلا چکی ہوتی، میری تو دل سے خواہش تھی ناجیہ کیلئے، دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کیسا راستہ نکالا ہے۔

صفیہ پھپھو کے کہنے کی دیر تھی کہ چچا جان نے بھی اپنے بیٹے عبداللہ کا نام لے دیا، اماں بابا دونوں ہی اب حیران بیٹھے تھے۔

دیکھو تم لوگ اتنی جلدی میں کوئی فیصلہ نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ کل اپنے ان فیصلوں پر پچھتاؤ۔بابا نے اپنے تازہ ترین تجربے کی روشنی میں بمشکل اپنے الفاظ مکمل کئے بھائی جان ہم گھر سے اچھی طرح سوچ کر اور مشورہ کر کے ہی آئے ہیں، میں اگلے ہفتے اسی دن اپنے بیٹے کی شادی کرنے کو تیار ہوں بس آپ ہاں کر دیں۔صفیہ صوفے سے اتر کر بھائی کے قدموں کے پاس جا بیٹھیں، بابا نے مشورہ طلب نظروں سے دادی کی طرف دیکھا اور دادی کے ہاں میں ہلتی گردن دیکھ کر صفیہ پھپھو کے سر پر اپنا ہاتھ رکھ دیا دروازے کی جھری سے جھانکتی نبیلہ نے خوشی سے نکلتی چیخ کو بمشکل روکا۔

بھائی تم نے ابا کے بعد جس طرح میرا خیال رکھا اور میری شادی کی میں اس وقت کو کبھی نہیں بھول سکتی، نجانے ہمارے معاشرے سے یہ لالچ کا بندھن کب ختم ہوگا؟ بھلا اچھا جہیز بہترین رشتے کی ضمانت دے سکتا ہے؟ مجھے اپنی ناجیہ کے علاوہ کچھ نہیں چاہیے۔صفیہ آبدیدہ ہو چکی تھی۔

تم لوگ وعدہ کرو کہ کوئی بھی اپنے بیٹوں کی شادی کرتے ہوئے لڑکی والوں سے جہیز کی کوئی فرمائش نہیں کرے گا، رشتوں کی پائیداری محبتوں میں ہے نا کہ سامان میں.....

دادی نے اپنے سب بچوں کو تاکید کی تو سب ہی گردنیں ہلا کر حمایت کا اعلان کرنے لگے۔

ناجیہ کی مخبرِ اعظم نبیلہ تیزی سے روتی دھوتی ناجیہ کو خوش خبری سنانے چل دی کہ اب اسے کہیں دور نہیں برابر والے گھر میں ہی جانا ہے۔

☆.....☆.....☆

نبیلہ شہزاد

صفائی

یہ تم کونے کھدروں میں کوڑا کیوں چھوڑ جاتی ہو کتنی بار کہا ہے صفائی ٹھیک سے کیا کرو ایسی صفائی کا کیا فائدہ؟ جس کے بعد پیچھے چھپا گند پھر سے آنکھوں سامنے ناچنے لگے۔ میرے گھر میں صرف نام کی صفائی سے کام نہیں چلے گا زیبا ملازمہ کے سر پر کھڑی صفائی کروا رہی تھی اور ساتھ ساتھ حسب معمول ڈائریکشن بھی دے رہی تھی لیکن سکینہ بھی سدا کی ڈھیٹ اس کے پیٹ میں بھی مڑوڑ اٹھتا تھا اگر وہ حلال کی کر کے کھا لیتی اس لئے وقتی طور پر تو باجی کی مان لیتی اور اچھی صفائی کر لیتی بھئی باجی سے ایکسٹرا مال بھی تو لینا ہوتا تھا بعد میں پھر اپنی ہی من مرضیاں۔

سکینہ کیا فارغ ہو گئی نیچے سے جلدی اوپر آؤ میں بھلا تمہارا انتظار ہی کرتی رہوں صفائی کروا کر پھر میں نے دوپہر کا کھانا بنانا ہے۔

اوپر والے پورشن سے صالحہ نے آواز لگائی تو سکینہ بیچاری مسکین سی صورت بنا کر زیبا کی طرف دیکھنے لگی کہ شاید باجی اب چھٹی دے کر اوپر جانے کی اجازت دے دے۔

صالحہ سکینہ کو آواز لگا کر پیچھے ہٹ گئی زیبا بڑبڑانے لگی اوپر کام ہے تو کیا نیچے کام نہیں سکینہ جی پہلے نیچے کا کام اچھی طرح نمٹاؤ پھر اوپر جانا۔

کبھی تو سکینہ دونوں دیورانی جیٹھانی کے سامنے خوشامد کر کے یا ایک دوسری کی چغلی کھا کر ان کا دل خوش کر کے اپنے گرد کتنا شکنجا ڈھیلا کر لیتی ورنہ اوپر نیچے کے چکروں میں گھن چکر ہی بنی رہتی۔

دونوں بھائیوں کا کاروبار مشترکہ تھا لیکن کھانا پکانا الگ الگ تھا ایک اوپر والے پورشن میں رہتا اور دوسرا نیچے والے میں۔ کچن کے علاوہ باقی اخراجات جیسے بل ڈرائیور گاڑی کا خرچہ، مالی و ماسی کی تنخواہ مشترکہ کاروبار سے نکلتی اس لئے دونوں پورشنوں کیلئے ایک ہی کام والی رکھی گئی جو صرف جھاڑو پونچا کرتی باقی کام گھر والے خود کرتے۔ جس دن سکینہ دونوں دیورانی جیٹھانی کے درمیان زیادہ پس جاتی اس دن کام سے فارغ ہونے کے بعد ان کی ساس صادقہ کے پاس پورا گھنٹہ ٹھنڈے کمرے میں بیٹھ کر پسینہ خشک کرتی اور وقفے وقفے سے ٹھنڈا پانی پیتے ہوئے ساس سے بہوؤں کے خلاف گلے شکوے بھی کرتی۔ اکثر و بیشتر صادقہ اپنے پلنگ کے نیچے سے روح افزا کی بوتل نکال کر دو چمچ شربت اس کے ٹھنڈے پانی کے گلاس میں انڈیل دیتی پھر یہ ٹھنڈک سکینہ کے ٹوٹے دل کے لئے الفی کا کام دیتی اور وہ ادھر سے کام چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیتی۔

رمضان کی آمد میں چند دن باقی رہ گئے گرمی کے موسم میں روزے کی حالت میں شاپنگ کرنا کوئی خالہ جی کا باڑہ نہیں اسی مشکل کو مدنظر رکھتے ہوئے صادقہ نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ اپنے اپنے بیوی بچوں کی عید اور گرمیوں کے کپڑوں کی شاپنگ رمضان سے پہلے پہلے کر لو دونوں دیورانی جیٹھانی اکٹھی شاپنگ کیلئے چلی جاتیں یہ تو کسی کتاب میں لکھا ہی نہ تھا دونوں نے اپنے اپنے میاں کے ساتھ شاپنگ کی اور اسی کوشش میں رہیں کہ ہمارا کپڑا جوتا دوسرے سے اعلیٰ اور جدید فیشن کے مطابق ہو لیکن یہ تو کسی کے ذہن میں خیال ہی نہ آیا کہ ساس کیلئے سوٹ بھی ایک دوسری سے بڑھ کر خریدیں۔ ساس بیچاری درویش اس میں خوش ہو جاتی کہ میری بہورانیاں خوش ہیں گھر کے دوسرے معاملات میں دونوں کی ایک دوسرے کو بے سلیقہ گنوار اور بے وقوف ثابت کرنے کی کوشش ہوتی۔ گھر کی چھوٹی سی ریاست میں صرف دو عورتیں بھی پیار و محبت سے اکٹھی نہ بیٹھ سکتی تھیں۔ رمضان سے دو دن پہلے گھر کی تفصیلی صفائی کیلئے صادقہ نے تدبر سے کام لیتے ہوئے ایک اور کام والی منگوالی ایک کو نیچے اور دوسری کو اوپر والے پورشن میں صفائی

کیلئے لگا دیا تا کہ اپنی اپنی مرضی سے صفائی کروالیں اور آپس میں کھٹ پٹ نہ ہو۔

اچانک چیخوں کا شور بلند ہوا سب گھبرا کر لاؤنج کی طرف دوڑ پڑے صالحہ بھی سیڑھیاں کودتی پھلانگتی نیچے آ گئی۔ صادقہ بھی یا اللہ خیر، یا اللہ خیر بولتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ معلوم ہوا کہ صالحہ کے بیٹے احسن کو زیبا کے بیٹے عمر نے دانتوں سے کاٹا ہے۔ صالحہ نے تو نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً آگے بڑھ کر عمر کو دو کرارے تھپڑ رسید کر دیئے۔ اب روتے بیٹے کو دیکھ کر زیبا کب پیچھے رہنے والی تھی اس نے احسن یا صالحہ کو جوابی تھپڑ تو نہ رسید کئے البتہ خوب کھری کھری سنانا شروع ہوگئی۔ صادقہ غصہ سے بھری لیکن چپ سادھے میدان جنگ سے نکل کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

صادقہ جیسی صابرہ خاتون نے بھی آج اپنی چپ توڑنے کا فیصلہ کرلیا وہ بے چینی سے شام ہونے اور بیٹوں کی آمد کا انتظار کرنے لگی۔

جب بیٹے گھر آ کر رات کے کھانے سے فارغ ہوئے تو صادقہ نے پیغام بھجوا کر بیٹوں اور بہوؤں کو اپنے کمرے میں بلایا۔

دونوں بیٹے صادقہ کی پائنتی کی طرف بیٹھ کر ہلکے ہلکے ہاتھوں ماں کو دبانے لگے صادقہ اندر سے تو غصہ و پریشانی سے بھری پڑی تھی لیکن بظاہر اس نے اپنا رویہ نارمل رکھا اور گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ پہلے اپنی بہوؤں سے مخاطب ہوئیں۔ خیر سے کل پہلے روزہ کی تراویح پڑھیں گے اور انشاء اللہ پرسوں پہلا روزہ ہوگا کیا رمضان سے پہلے کرنے والے سارے کام نمٹا لیئے ہیں؟ کپڑے تیار ہیں۔ تیار تو ابھی نہیں ہوئے البتہ درزی کو سلنے کیلئے دے دیئے ہیں۔ زیبا بولی جبکہ صائمہ ابھی خاموش بیٹھی تھی۔

چلو وہ تو سِل کر آ ہی جائیں گے آپ لوگوں کا کام تو ختم ہوا اور کیا تم دونوں نے سارے گھر کی صفائی اچھی طرح کروالی اور تم جانتی ہو کہ گھر تو صاف ستھرا ہی اچھا لگتا ہے نا، دیکھ لینا کسی کونے کھدرے میں کوئی گند نہ پڑا رہ گیا ہو۔ اب کی بار صالحہ بولی جی امی اچھی طرح کروائی ہے میں نے تو سکینہ سے اپنی نگرانی میں سارا کام کروایا ہے۔

زیبا، صالحہ.....اب تم دونوں میری بیٹیوں کی حیثیت میں ہو اور مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کی حیثیت دی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے رشتے ہیں ہم ان رشتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس لئے بحیثیت ماں میں آپ لوگوں کو اچھی بری سے روکنے ٹوکنے کا اختیار رکھتی ہوں اور اسی حیثیت کے تحت میں آپ لوگوں کو نصیحت کر رہی ہوں کہ رمضان کی آمد سے پہلے جس چیز کی تیاری اور جس جگہ کی صفائی کا سب سے پہلا حق ہے وہ آپ کی اپنی ذات ہے۔ اپنا اخلاق سنوارنے کی تیاری اور اپنے دل کی صفائی کرلو ورنہ رمضان کے فضائل سے شائد کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں۔

صادقہ نے اشارہ کنایہ سے بہوؤں کو ساری بات بھی سمجھا دی اور ان کی روز کی کھٹ پٹ ظاہر نہ کر کے بیٹوں کے سامنے ان کی پردہ پوشی بھی کر لی۔

پھر صادقہ اپنے بیٹوں سے مخاطب ہوئی اب کی بار لہجہ ذرا سخت تھا۔ تمہیں بھی دنیا میں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ تمہیں اپنے اپنے گھر والوں پر قوام بنایا گیا ہے اور قوام ہونے کا مطلب صرف یہ نہیں کہ ان کو کھانا پینا اوڑھنا بچھونا اور چھت دے کر فارغ بلکہ اصل قوامیت تو یہ ہے کہ تمہیں ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو جنت الفردوس میں بھی لے کر جانا ہے۔

بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ آج جو ہمارے اندر بے صبری جذبہ ایثار کا ختم ہو جانا اخلاقیات کا خراب ہو جانا مذہب سے دوری دلوں میں کینہ بغض حسد آپس میں لڑائی جھگڑے فساد اسی وجہ سے ہوا کہ مرد نے قوامیت کا قلادہ اپنے گلے سے اتارا اور جب مرد کا ایمان کمزور ہو گیا شیطان نے اپنے ڈیرے جما لئے۔

وہاں بیٹھے تمام افراد کی نظریں جھک گئیں سب صادقہ کی بات پر دل سے متفق تھے، جواب میں کسی کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

اک تیرے آنے سے پہلے.....

تینوں بچیوں کو اسکول بھیج کر اب جمیلہ گھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی۔ میلے کپڑے سمیٹ کر اس نے ٹب میں ڈالے اور سرف ڈال کر بھگونے رکھ دیئے اور کھانا پکانے کی تیاری کرنے لگی۔ سبزی وہ گلی میں آنے والے سبزی والے سے پہلے ہی خرید چکی تھی اس نے چھری اور ٹوکری لی اور کچن کے ساتھ برآمدے میں بیٹھ کر سبزی کاٹنے لگی۔

جمیلہ کے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔ ہنڈیا چڑھا کر ابھی برتن دھونے تھے اور پھر جھاڑو بھی لگانی تھی اور وہ چاہتی تھی یہ سارے کام وہ چھوٹو کے اٹھنے سے پہلے پہلے کر لے جو کہ ناممکن تھا۔ لیکن سوچنے میں کوئی حرج تو نہیں تھا۔ ہاتھ اس کے سبزی بنا رہے تھے اور دماغ ڈھیر کاموں میں الجھا ہوا تھا۔ آج تو کپڑے بھی زیادہ تھے۔ کل کپڑے دھونے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی۔ لہٰذا آج اس نے پہلے کپڑے ہی بھگو دیئے تھے۔

دوسری طرف چھوٹو کی طرف بھی دھیان لگا ہوا تھا۔ ڈیڑھ سالہ سفیان جسے پیار سے سب چھوٹو کہتے تھے بہت شرارتی تھا۔ اپنی شرارتوں سے جمیلہ کا تو اس نے ناک میں دم کیا ہوا تھا چونکہ اکلوتا تھا اسی لئے بڑی تینوں بہنوں اور ماں باپ کا لاڈلا بھی تھا۔ ہر کام میں گھسنا، چیزیں پھیلانا اور ماں کی گود میں چڑھنا، یہی اس کے پسندیدہ کام تھے۔ موڈ ہوتا تو بہنوں کے ساتھ کھیلتا ورنہ جمیلہ کے پاس کچن میں گھس کر اس کا کام بڑھاتا۔ جمیلہ نے مصالحہ بھونا، ہنڈیا چڑھائی اور پھر جلدی جلدی برتن دھونے لگی۔ ابھی چند برتن ہی دھوئے تھے کہ اس کو چکر آنے شروع ہوئے تھے۔ ساتھ ہی متلی بھی محسوس ہونے لگی۔ اس نے صابن لگے ہاتھوں کو دھویا اور نل بند کر کے چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ لیکن جب طبیعت زیادہ ہی خراب ہونے لگی تو وہ چولہا بند کرتی ہوئی آہستہ آہستہ چلتی کمرے میں آ گئی اور عین پنکھے کے نیچے لیٹ گئی۔ چھوٹو وہیں پلنگ پر سویا ہوا تھا۔ وہ بھی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ پنکھے کی ہوا سے اسے کچھ سکون محسوس ہوا۔ پچھلے ہفتہ بھر سے اس کی طبیعت کافی گری گری تھی۔ بھوک بھی کم ہو گئی تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ گرمی زیادہ ہے اور پھر گھر کے کام، جو کہ ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔ شاید اسی وجہ سے اس کا بلڈ پریشر گرا ہوگا۔ لیکن آج چکر اور متلی کا ہونا، وہ پریشان ہو گئی تھی۔

''خدا خیر کرے، میں نے تو ارشد سے بھی طبیعت کی خرابی کا ذکر نہیں کیا تھا اور آج اس طرح.....'' وہ اسی طرح اپنی کیفیت پر غور کر رہی تھی۔ پنکھے کی ٹھنڈی ہوا اس کے جسم کو لگ رہی تھی اور اسی ٹھنڈی ہوا کے نتیجے میں اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ویسے بھی وہ صبح سویرے ہی کی اٹھی ہوتی۔ بچوں کے اسکول جانے کے بعد اور ارشد بھی سویرے ہی کام پر نکل جاتا تھا۔ وہ ایک بسکٹ بنانے والی فیکٹری میں ملازمت کرتا تھا۔ صبح کا نکلا مغرب کے وقت ہی گھر میں گھستا۔

جمیلہ گہری نیند سو گئی تھی تبھی چھوٹو کے چیخنے سے وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چھوٹو اس کے پاس بیٹھا اسے اپنی زبان میں آوازیں دے رہا تھا۔ اگرچہ ابھی اسے بولنا نہیں آیا تھا لیکن اماں، اماں کہہ کر پکارتا تھا۔ جمیلہ نے گھڑی دیکھی۔ ''اوہ ساڑھے دس بج گئے'' اس کا مطلب تھا کہ وہ تقریباً پون گھنٹہ سو چکی تھی۔ جمیلہ نے چھوٹو کا ہاتھ منہ دھلایا اور اسے ناشتہ کرانے لگی۔ اور اس کے بعد پھر جو وہ گھر کے کاموں میں لگی تو روز کی طرح بچیوں کے اسکول سے آنے کا ٹائم ہو گیا تھا جب ہی گھر کے کام نمٹے۔ ماسی رکھنے کا اس کا بجٹ ہی اجازت نہیں دیتا تھا۔ ورنہ وہ ہر مہینے سوچتی کہ گھر کے خرچوں میں کچھ کٹوتی کرے اور کم از کم کپڑے برتنوں کیلئے ہی ماسی رکھ لے تو کچھ کام کا بوجھ تو اس کے سر سے کم ہو لیکن ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی نیا خرچہ سامنے کھڑا ہو جاتا اور اس کی معصوم خواہش دم توڑ

دیتی۔ اگرچہ تینوں بچیاں گورنمنٹ اسکول میں ہی پڑھتی تھیں۔ لیکن پھر بھی ان کے یونیفارم، بیگ، کتابیں کاپیوں کا خرچہ کم نہ تھا۔ پھر ہر مہینے بجلی گیس کے ہوشربا بل، مہنگائی کے جن کو قابو میں رکھنے کے لئے سفید پوش طبقہ کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا یہ کوئی جمیلہ اور ارشد جیسے گھرانوں سے پوچھے۔ جمیلہ سارا دن گھر اور بچوں کے کام اور بکھیڑے نمٹاتی تھک جاتی اور آج کل تو اس کی طبیعت بھی خراب چل رہی تھی۔ بڑی بچی ابھی صرف دس سال کی تھی۔ وہ جمیلہ کے ساتھ چھوٹے موٹے کام ہی کرا سکتی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

رات کو کھانے کے بعد اس نے ارشد سے اپنی خرابی طبیعت کا ذکر کیا۔

''تم ڈاکٹر صادق کے پاس کیوں نہ چلی گئیں، دکھا دیتیں جب اتنے دن سے طبیعت خراب تھی تو۔'' ارشد نے اس کی بات کے جواب میں عام سے انداز میں کہا اور ایک پرانا اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ جواب میں جمیلہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ کیا کہتی کہ اسے تو یہ دوسری گڑبڑ لگ رہی ہے۔

اگلے دن وہ بڑی سعدیہ کو لے کر ڈاکٹر صادق کے بجائے لیڈی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی۔ چھوٹو کو وہ سلا کر آئی تھی، دونوں بچیوں کو سمجھا کر اس نے چند گلیاں دور ڈاکٹر رفعت کو دکھانے کا فیصلہ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کا نمبر آ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کی کیفیت پوچھی اور پھر اس کے شک کی تصدیق کر دی۔

''تم یہ ٹیسٹ کرا لو پھر مجھے آ کر دکھا دینا۔ کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

''چار'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''ہوں.....اور سب سے چھوٹا بچہ کتنے سال کا ہے؟''

''ڈیڑھ سال کا'' اس کی آواز اور پست ہو گئی تھی۔

''ایک تو تم لوگ بھی نا..... نہ جانے کب عقل آئے گی۔'' ڈاکٹر بڑبڑائی اور اگلی مریضہ کیلئے گھنٹی بجائی۔ جمیلہ سست قدموں سے کلینک سے باہر آ گئی۔

یہ کیا ہو گیا؟ چھوٹو کے آنے کے بعد تو ان کی فیملی مکمل ہو گئی تھی۔

اب نہ تو جمیلہ اور نہ ہی ارشد اپنے خاندان میں کسی قسم کا اضافہ چاہتے تھے۔ ارشد کی لگی بندھی تنخواہ میں پہلے ہی خرچ اور آمدن میں توازن رکھنا مشکل ہو جاتا تھا اور اگر اس ننھی جان کی بھی آمد ہو گئی تو..... جمیلہ مزید اس سے آگے سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ ماسی کو دینے کیلئے ہزار روپے نکالنا تو مشکل ہو جاتے تھے۔ اب اگر خاندان میں مزید ایک فرد کا اضافہ ہو جائے گا تو اس کے خرچے کہاں سے نکلیں گے؟

جمیلہ واپسی کا سارا راستہ انہی پر پیچ سوالوں کے جواب تلاش کرتی رہی۔ گھر آ کر بھی وہ ایک طرف لیٹ گئی۔ آنے والے وقت نے اسے ابھی سے جیسے نڈھال کر دیا تھا۔

''بابا، دیکھیں امی نے مجھے ڈاکٹر کے ہاں سے آتے ہوئے جوس بھی نہیں دلوایا۔ مجھے اتنی پیاس لگ رہی تھی لیکن امی نے کہا پانی پی لو۔'' رات کو ارشد کے گھر میں آنے کے بعد سعدیہ نے اسے ماں کی شکایت لگائی۔

''ایک صرف تمہارے لئے نہیں لینا پڑتا سب کیلئے لیتی اور میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے۔'' جمیلہ جھنجھلا کر بولی، اس نے سعدیہ کو بڑا سمجھایا تھا لیکن جوس نہ دلوانے پر وہ اب تک منہ بنائے ہوئے تھی۔

''میں کل سب کیلئے جوس لے آؤں گا، اب خوش ہو جاؤ۔'' ارشد نے سعدیہ کا سر سہلاتے ہوئے کہا اور پھر جمیلہ کی طرف رخ کیا۔ ''ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں؟ کیا کہا اس نے؟ تمہارا بلڈ پریشر گرا ہو گا۔'' اس نے جیسے خود سے اندازہ لگایا۔

''میں ڈاکٹر رفعت کے پاس چلی گئی تھی۔'' جمیلہ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

''ڈاکٹر رفعت کے پاس؟'' ارشد نے حیرت سے سوالیہ لہجہ میں جمیلہ کو دیکھا۔ جواب میں جمیلہ آہستہ سے سر ہلا کر رہ گئی۔

''میرا بلڈ پریشر بھی لو ہے اور اس نے چند ٹیسٹ کرانے کو بھی کہا ہے۔''

''کیوں؟ خیریت ہے نا۔'' ارشد نے چونک کر جمیلہ کو دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''ڈاکٹر نے وہی کہا ہے جو.....'' جمیلہ لمحہ بھر کو ٹھہری۔''ان بچوں کی دفعہ کہا تھا۔''

''اوہ! تو اس کا مطلب ہے.....'' ارشد بھی لمحہ بھر کو خاموش ہو گیا اس کی آواز اور لہجہ بھی کسی قسم کی خوشی سے عاری تھا۔

''اچھا تم کھانا لگاؤ بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' ارشد نے موضوع بدلا اور وہ بھی خاموشی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ کھانا معمول کے انداز میں بچوں کی اِدھر اُدھر کی گفتگو کے درمیان کھایا گیا۔ کھانا سمیٹ کر بچوں کو سلا کر جمیلہ جب اپنے بستر پر آ کر لیٹی تو ارشد آنکھیں بند کئے لیٹا تھا۔ جمیلہ کچھ دیر تو یونہی خاموش لیٹی چھت کو گھورتی رہی۔ پھر کروٹ بدل کر ارشد کی طرف رخ کر کے اسے دیکھنے لگی۔

''ارشد آپ سو گئے؟'' اس نے ارشد کو دیکھ کر دھیمی آواز میں پوچھا۔''ارشد!''

''ہوں، کیا بات ہے؟'' وہ کچھ نیند میں آ چکا تھا۔

''ارشد میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس وجہ سے جو ڈاکٹر نے بتائی۔''

''پریشان ہونے سے کیا ہوگا؟ کیا مسئلہ حل ہو جائے گا۔؟''

''میں کیا کروں؟ شام سے میں سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں۔ انہی بچوں اور گھر کے کاموں سے مجھے فرصت نہیں ملتی، پھر چھوٹو بھی ابھی ڈیڑھ سال کا ہے۔ میری اپنی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی اور سب سے بڑھ کر یہ روز کے بڑھتے اخراجات، آخر اس مہنگائی میں ہم کس طرح اس آنے والے کی ضروریات پوری کر سکیں گے اور اب پھر ہسپتال، دوائیوں کے چکر شروع ہو جائیں گے۔ کیسے ہوگا؟ آپ کی محدود آمدنی میں.....'' جمیلہ تو جیسے بھری بیٹھی تھی، ارشد کا کندھا ملتے ہی جیسے بہہ سی گئی، ذہن میں کلبلاتی سوچیں ایک کے بعد ایک کہتی چلی گئی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا، تم فکر نہ کرو، اب سو جاؤ۔'' ارشد نے نرمی سے جمیلہ کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا تو جمیلہ کو جیسے ارشد کے رویے سے ڈھارس ملی اور اس نے آنکھیں موند لیں جلد ہی وہ نیند کی وادی میں چلی گئی لیکن دوسری طرف وہ اپنی سوچوں سے ارشد کو فکر میں مبتلا کر چکی تھی۔ ارشد کچھ دیر تو آنے والے وقت پر غور کرتا رہا لیکن پھر سر جھٹک کر سونے کی کوشش کرنے لگا اور جلد ہی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔

چند دن اسی طرح آگے کھسک گئے۔ آج چھٹی کا دن تھا۔ بچوں نے صبح اٹھتے ہی ارشد سے کہہ دیا تھا کہ وہ آج شام کو انہیں کہیں تفریح کے لئے لے کر جائے گا اور ارشد نے وعدہ کر لیا تھا۔ لہٰذا کھانے سے فارغ ہو کر وہ بیوی بچوں کو لے کر گھر سے کچھ فاصلے پر بنے پارک میں لے آیا تھا۔ بچیاں خوشی خوشی پارک میں بنے جھولوں پر جھول رہی تھیں تو کوئی سلائڈ پر چڑھ رہی تھی۔ چھوٹو بھی بہت خوش تھا اور گھاس پر بھاگ رہا تھا۔ ارشد اور جمیلہ وہیں ایک بینچ پر بیٹھ کر آنے والوں کو دیکھ رہے تھے۔

''ارشد!'' جمیلہ نے ارشد کو اپنی طرف متوجہ کیا جو سامنے کھیلتے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔

''پھر آپ نے کیا سوچا؟''

''ہاں، کس بارے میں؟'' وہ ناسمجھی سے جمیلہ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ بھول گئے؟ میں اس آنے والے کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔''

''تم کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو، خود بھی فکرمند ہو اور مجھے بھی کر رہی ہو۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔'' ارشد نے چھوٹو کو اشارے سے اپنے پاس بلاتے ہوئے کہا۔

''ویسے ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔'' جمیلہ اپنے ناخنوں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔

''میں جب سے ڈاکٹر کے ہاں سے آئی ہوں تب سے ہی میرا ذہن بہت الجھا ہوا ہے۔ پہلے ہی اتنے کھینچ تان کر گزارہ کر رہے ہیں، خاندان مزید بڑھے گا تو اس کا مطلب ہے کہ مسائل میں مزید اضافہ اور میں ابھی یہ سب نہیں چاہتی میں نے اس رخ پر پچھلے چند دن بہت سوچا اور پھر اس کا حل یہی نکالا ہے کہ..... کہ.....'' کہتے کہتے وہ ہچکچا گئی۔

ارشد اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ''میں اسے ضائع کرا دوں۔'' اس نے اپنی بات پوری کی۔

''ہائیں، دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا؟ یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' ارشد نے حیران رہ گیا اس کی بات سن کر، جمیلہ اتنا بڑا فیصلہ بھی کر سکتی ہے یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔''

''تم کیسی احمقانہ باتیں کر رہی ہو، ہمارا بھلا یا برا کس میں ہے یہ ہم نہیں جانتے، تم ایسا کچھ نہیں کرو گی میں اجازت نہیں دونگا، میں چند دن میں کچھ رقم کا بندوبست کر دوں گا پھر اگر ٹیسٹ کرانے ضروری ہیں تو ٹیسٹ کروالو'' ارشد بہت سنجیدہ ہو چکا تھا۔

''ارشد آپ جانتے ہیں پہلے ہی خرچے پورے نہیں ہوتے اور بچہ کے آنے کے بعد تو ہمارے خرچے.....''

دنیا میں ہر آنے والا اپنا رزق خود لے کر آتا ہے، کیا پتہ جب تک میری آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے۔''

ارشد نے جمیلہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہو بھی سکتا ہے اضافہ اور نہیں بھی، میں تو ان ہی بچیوں کی شادی بیاہ کے بارے میں ابھی سے سوچ کر پریشان ہوں ہماری تو کوئی بچت بھی نہیں ہے۔ اب ایک اور بیٹی آ گئی تو'' جمیلہ واقعی از حد پریشان تھی۔

''اور کیا جو تم کہہ رہی ہو وہ آسان ہے؟ تمہیں معلوم ہے اس میں کتنی پیچیدگیاں بھی ہو سکتی ہیں، ٹھیک ٹھاک رقم چاہیے ہو گی، پھر تمہاری صحت، تمہیں کتنی تکلیف اٹھانی پڑے گی یہ بھی سوچا ہے۔؟''

''ایک ہی دفعہ اٹھانی پڑے گی نا، اور میں کوئی ڈاکٹر سے تھوڑی کرواؤں گی، یہ برابر میں جو روبی باجی رہتی ہیں انہیں بڑے ٹوٹکے معلوم ہیں انہی سے.....'' جمیلہ نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''بس میں نے منع کر دیا نا ایسا کچھ نہیں کرو گی تم۔ خرچوں کی فکر نہ کرو ہو جائے گا کچھ اللہ مالک ہے۔''

''مجھے بھی تو اتنا وقت نہیں ملتا ورنہ میں ہی کچھ سلائی کڑھائی کر کے چند روپے کما لوں۔'' جمیلہ نے اپنی مجبوری بتائی۔

''اب گھر چلو۔'' ارشد نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور بچیوں کو گھر چلنے کیلئے بلانے کیلئے آگے بڑھ گیا۔ جمیلہ بظاہر اسے دیکھ رہی تھی لیکن وہ فیصلہ کر چکی تھی اور سوچ رہی تھی اب اسے آگے کیا کرنا ہے۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، ویسے ابھی کتنے مہینے ہوئے ہیں۔''

''میرے خیال سے دو ڈھائی ماہ۔'' جمیلہ دبی آواز میں بولی۔

''ارے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ ویسے تمہیں جلدی آنا چاہیے تھا۔'' روبی باجی ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولیں۔

''اصل میں مجھے تو خود ابھی دو ہفتے پہلے ہی معلوم ہوا، پچھلے ہفتے میں آپ کے پاس آئی تھی تو پتہ چلا کہ آپ اپنی بیٹی کے ہاں گئی ہیں، لہٰذا میں.....''

''ہاں کل ہی تو آئی ہوں میں رخسانہ کے گھر سے، وہاں بھی ایک مزیدار واقعہ ہوا اس کی پڑوس میں ایک نرس رہتی ہے وہ اپنے گھر میں چوری چھپے یہی کام کرتی ہے۔ جس سرکاری ہسپتال میں کام کرتی ہے وہاں اس کے جاننے والے بہت، لہٰذا کسی عورت کو اپنے گھر بلا لیا اب کیس خراب ہو گیا اور اس کے ہاتھوں سے نکل گیا وہ تو یوں کہو عین وقت پر میں پہنچ گئی تو معاملہ نمٹ گیا ورنہ وہ تو شاید بے موت مرتی۔'' روبی باجی حسب عادت قہقہہ مارتی ہوئی بولیں۔ وہ اس خوفناک واقعہ کو مزیدار واقعہ کہہ رہی تھیں۔ جمیلہ کو بڑی حیرت ہوئی اور بے موت نہ جانے وہ کس کو کہہ رہی تھیں نرس کو یا اس غریب قسمت کی ماری عورت کو جو غلطی سے اس کے پاس آ گئی تھی۔

''روبی باجی کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گا نا۔'' جمیلہ نے اگرچہ ارادہ تو کر لیا تھا لیکن وہ اندر سے ڈری ڈری بھی تھی۔

''ارے نہ نہ، تم میرے پاس آ گئی ہو نا تو اب دیکھنا میں کیسے آسانی سے تمہارا یہ مسئلہ حل کرتی ہوں۔ میرے پاس بڑے جدید اور محفوظ طریقے ہیں۔ میں کوئی بے وقوف تھوڑی ہوں۔ تمہارے سامنے ہی کتنی عورتوں کا علاج کر چکی ہوں۔''

کسی حد تک وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں دو تین کو تو جمیلہ ذاتی طور پر جانتی تھی اسی لئے تو اس نے ارشد کے منع کرنے کے باوجود یہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

''اصل میں روبی باجی میرے میاں تو راضی نہیں لیکن میں اب مزید بچے نہیں چاہتی، اسی لئے۔'' جمیلہ کچھ اٹکتی ہوئی بولی۔

''ہاں ہاں اور کیا ٹھیک فیصلہ کیا، بچے تو عورتوں کو ہی سنبھالنے پڑتے ہیں یہ مرد پالیں تو پھر ان سے پوچھیں۔'' انہوں نے جمیلہ کی بھرپور تائید کی۔ ''ویسے تم اپنے میاں کو راضی کرلو پھر آنا کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا میاں میرے ہی گلے پڑ جائے۔ اب بھئی میں بھی انسان ہوں غلطی مجھ سے بھی ہوسکتی ہے۔ آخر غلطی بڑے بڑے ڈاکٹروں سے ہو جاتی ہے اگر خدانہ کرے کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو.....بس میں تو ایسے ہی کہہ رہی ہوں، ویسے ہوتا ووتا کچھ نہیں بڑا آسان ہے۔'' روبی باجی نے اگر ایک طرف اسے تسلی دی تو دوسری طرف کچھ ڈرا بھی دیا تھا۔ پھر حسب عادت ایک بے ڈھنگا مختصر سا قہقہہ لگایا۔

''مجھے زیادہ تکلیف تو نہیں اٹھانی پڑے گی نا؟'' جمیلہ نے پھر جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

''اے جمیلہ تم بچی تو نہیں ہو، آخر چار چار بچوں کی ماں ہو، یہ بچے بھی تو تم نے تکلیف اٹھا کر ہی جنے ہوں گے یا کوئی فرشتہ تمہارے گھر دے گیا تھا۔'' اب وہ کچھ برا مان گئی تھیں۔

''ہاں.....نہیں، بس وہ روبی باجی میں تو احتیاطاً.....''

''اب احتیاطاً کیا، اگر پہلے ہی احتیاط کرلی ہوتی تو یہ نوبت نہیں آتی۔ بی بی اچھی طرح فیصلہ کر کے اگلے ہفتے آنا میرے پاس، پھر ہی میں تمہارا کام کرسکوں گی۔'' روبی باجی نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا تھا، لہجے میں سرد مہری آچکی تھی اور جمیلہ سر جھکائے واپس آگئی۔ پھر ایک ہفتہ تو اسے صرف ارشد کو اپنے فیصلہ سے متفق کرنے میں ہی لگ گیا۔ وہ ارشد کی اجازت کے بغیر یہ قدم نہیں اٹھا سکتی تھی اور ارشد اس کیلئے تیار نہ تھا۔ بڑی مشکل سے وہ جمیلہ کی منت سماجت کے بعد راضی ہوا۔ اس طرح ایک ہفتہ مزید آگے بڑھ گیا تھا۔ جوں جوں وقت آگے کھسک رہا تھا۔ جمیلہ اپنے اندر کمزوری بڑھتی محسوس کر رہی تھی۔ اسے اچھی غذا اور دوائیوں کی ضرورت تھی لیکن وہ روبی باجی کے دیئے ہوئے نسخوں پر عمل کر رہی تھی۔ انہوں نے نہ جانے کس قسم کے شربت اور معجون دی ہوئی تھی جس سے جمیلہ کو ہر وقت چکر ہی آتے رہتے اور وہ گھر اور بچوں پر بھی پوری توجہ نہ دے پا رہی تھی۔ ڈر کے مارے اس نے ارشد کو بھی کچھ زیادہ نہ بتایا کہ وہ الٹا اس پر ہی بگڑ جائے گا۔ روبی باجی نے اسے ایک ہفتہ کا وقت دیا تھا کہ ان دواؤں کے استعمال کے ایک ہفتہ بعد نتیجہ تمہارے سامنے آجائے گا اور واقعی ایک ہفتے بعد نتیجہ سامنے آگیا۔

آج چھٹی کا دن تھا اس نے میاں اور بچوں کو ناشتہ دیا۔ خود اس نے بمشکل ایک سلائس لیا اور چند گھونٹ چائے کے لئے، کچھ دل ہی نہ کر رہا تھا۔ ارشد نے اسے ٹوکا بھی کہ اس کی بھوک ختم ہوتی جارہی ہے لیکن وہ ہنس کر ٹال گئی۔ اور ابھی وہ ناشتہ کے برتن ہی دھو رہی تھی کہ اس کو زوردار چکر آیا اس نے سنبھلنے کیلئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام رہی۔ ارشد کو آواز دینی چاہی لیکن اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل سکی۔ اس نے سنک پکڑ کر بیٹھنا چاہا لیکن پکڑتے پکڑتے بھی وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی اور فرش پر گر گئی۔ ساتھ ہی کئی برتن بھی گر گئے جن کی آواز سن کر ارشد اور سعدیہ بھاگے ہوئے کچن میں آئے۔

''جمیلہ! جمیلہ! کیا ہوا؟'' ارشد نے گھبرائے ہوئے انداز میں جمیلہ کو پکارا اور اس کا چہرہ تھپتھپانے لگا۔ سعدیہ بھی امی امی کر کے آوازیں دینے لگی۔ لیکن جمیلہ مکمل طور پر بے ہوش ہوچکی تھی۔

ارشد نے جمیلہ کو ہوش میں لانے کی کافی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تب اس نے بچیوں کو سمجھا کر گھر میں چھوڑا اور ٹیکسی کر کے ڈاکٹر رفعت کے کلینک لے آیا۔ ڈاکٹر رفعت اکثر اتوار کو بھی کلینک میں ہوتی تھیں۔ اسے ارشد سیدھا ایمرجنسی میں لے گیا تھا ڈاکٹر نے ہاتھوں ہاتھ جمیلہ کو لیا تھا۔ اس کا کیس بگڑ چکا تھا۔ نہ صرف بچے بلکہ اب تو جمیلہ کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ ارشد باہر بیٹھا جمیلہ اور ان دیکھے بچے کی زندگی کی دعا کر رہا تھا جو جمیلہ اپنی بے وقوفی سے گنوانے چلی تھی۔ وہ جمیلہ کی امی کو فون کر کے بتا چکا تھا اس کی امی فوراً ہی ہسپتال آگئی تھیں اور اب بیٹھی قرآن

پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی چھوٹی بیٹی کو بچوں کے پاس چھوڑ دیا تھا تا کہ وہ گھر اور بچے دیکھ لے۔

پھر ڈاکٹروں کی محنت رنگ لائی۔ تقریباً ڈھائی گھنٹے کے بعد جب جمیلہ کو ہوش آیا تو ڈاکٹر نے اطمینان کی سانس لی جمیلہ کو چیک کر کے ڈاکٹر تھیٹر روم سے باہر آئی تو اس نے ایک نظر ارشد اور جمیلہ کی ماں پر ڈالی جو پریشانی سے اسی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں میں ان گنت سوالات تھے۔

''شکر کیجئے اللہ کا جس نے ماں اور بچے دونوں کی زندگی رکھ لی۔ ورنہ آپ لوگوں نے تو کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔'' ڈاکٹر سخت غصے میں تھیں۔ ارشد نے ڈاکٹر کو من وعن ساری تفصیلات صاف صاف بتا دی تھی کہ کس طرح جمیلہ نے بچے کو ضائع کرنے کی کوشش کی تھی۔ ''جہالت کی بھی انتہا ہوتی ہے، نہ جانے کس قسم کے لوگوں کے پاس پہنچ جاتی ہیں اور پھر جب کیس بگڑ جاتا ہے تو ہمارے پاس آجاتی ہیں۔ آپ تو ماں ہیں آپ کو تو بیٹی کو سمجھانا چاہیے تھا کہ وہ یہ کیسی حماقت کرنے چلی ہے وہ بھی تب، جب تیسرا مہینہ ختم ہو چکا ہے۔ اگر چہ مریضہ نے میرے پاس ابھی نام نہیں لکھوایا تھا اور اصولاً یہ کیس میرا تھا بھی نہیں جو میں لیتی لیکن صرف انسانی ہمدردی اور جمیلہ کے پچھلے سارے بچے میرے پاس ہوئے ہیں اسی لئے لیا۔'' ڈاکٹر رفعت ارشد اور جمیلہ کی والدہ کو بے دریغ سنا رہی تھیں اور دونوں سر جھکائے سننے پر مجبور تھے کیونکہ وہ جو کہہ رہی تھیں درست ہی تھا۔

''آپ کو معلوم ہے کتنا خون ضائع ہوا ہے۔ بس یہ معجزہ ہی ہوا کہ جان بچ گئی۔ بچہ تو بچہ خود پیشنٹ کی جان کو خطرہ تھا۔ اف'' ڈاکٹر کہہ رہی تھیں اور جمیلہ کی والدہ سوچ رہی تھیں کہ انہیں تو کسی بات کا علم ہی نہ تھا۔ جمیلہ نے انہیں نہ تو اپنی پریگننسی کا بتایا تھا اور نہ ضائع کرنے کے ارادے کے بارے میں، ورنہ وہ ضرور اسے باز رکھنے کی کوشش کرتیں جبکہ ارشد خود اس وقت جمیلہ کی اس حرکت سے سخت کبیدہ تھا کہ منع کرنے کے باوجود جمیلہ نے اپنی چلائی تھی اور روبی باجی کی ناتجربہ کاری اور غلط مشوروں کی بدولت اس حالت کو پہنچ گئی تھی۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ اس نیم حکیم کو گھسیٹ کر یہاں لائے اور دکھائے کہ اس کی کم عقلی اور جہالت کی بدولت جمیلہ زندگی وموت کی کشمکش سے گزری ہے لیکن وہ بمشکل اپنی اس خواہش پر قابو پائے ہوئے تھا کیونکہ قصوروار تو جمیلہ بھی تھی لیکن ارشد نے سوچ لیا تھا کہ جمیلہ کے ٹھیک ہوتے ہی وہ اس روبی باجی کا بھانڈا ضرور پھوڑے گا تا کہ اوروں کیلئے وہ خطرہ جاں نہ بنے۔

دو دن ہسپتال میں رہ کر جمیلہ کو گھر جانے کی اجازت اس شرط پر ملی کہ ابھی وہ مکمل آرام کرے گی اور پابندی کے ساتھ وقت پر دوائیاں کھائے گی۔ ساتھ غذا کا بھی خیال رکھے گی اور جمیلہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا کر رہ گئی۔ ڈاکٹر رفعت نے جمیلہ کو بھی اس بے وقوفی پر ٹھیک ٹھاک سنائی تھیں۔ نرس نے ارشد کو بل پکڑایا اور بل دیکھ کر ارشد ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

''تم میرے پیسے بچانا چاہ رہی تھیں نا؟ ابھی چار دن پہلے ہی تنخواہ ملی تھی اور دیکھو برابر ہو گئی۔'' ارشد کے لہجے میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ وہ اگر چہ کہنا نہیں چاہ رہا تھا لیکن اپنے آپ کو کہنے سے باز بھی نہ رکھ سکا اور بل بھرنے کیلئے کمرے سے نکل گیا۔

''یا خدا میں کیا کروں۔'' جمیلہ کے ہونٹوں سے ایک سسکی نکلی۔

''غلطی کرو گی تو پھر سرزنش بھی کی جائے گی، کل سے کتنے پریشان ہیں ہم سب اس کا بھی تو اندازہ کرو۔''

امی اسے سہارے سے پکڑ کر باہر لے جاتے ہوئے بولیں اور وہ پلکیں جھپک کر اپنے آنسو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ امی کل سے یہاں اس کے پاس ہی تھیں جبکہ بچوں کے پاس جمیلہ کی چھوٹی بہن رکی ہوئی تھی اور ارشد کل سے ہسپتال اور گھر کے درمیان شٹل کاک بنا ہوا تھا۔ آج اس نے فیکٹری سے چھٹی کی تھی۔ گھر آ کر سب ہی نے سکون کی سانس لی۔ چاروں بچے بھی ماں کے بغیر بہت اداس تھے۔ خاص کر چھوٹو کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے نہ صرف بہنوں کو بلکہ خالہ کو بھی خوب تنگ کیا تھا۔

جمیلہ کی حالت ابھی ایسی نہ تھی کہ وہ گھر سنبھالتی لہٰذا اس کی امی نے جمیلہ سے چھوٹی شگفتہ کو اس کے پاس چھوڑ دیا تھا تا کہ جمیلہ کو آرام مل جائے۔ خود وہ بھی چکر لگاتی رہتیں۔ شگفتہ بیچاری چند دنوں میں ہی تھک

گئی۔ گھر کے سارے کام، پھر بچوں کے کام اس کے علاوہ جمیلہ کی تیمار داری وہ بیچاری اگرچہ اپنی سی پوری کوشش کر رہی تھی کہ کہیں کوتاہی نہ ہو اس کے باوجود گھر بری طرح ڈسٹرب ہو رہا تھا۔

''کیا حاصل ہوا تمہیں یہ سب کر کے الٹا امی کا گھر بھی پریشان ہو گیا۔'' آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا شگفتہ کو آئے اور آج وہ واپس جا رہی تھی اور اس کے بدلے جمیلہ کی چھوٹی بھابھی نے دو دن رکنے کی حامی بھر لی تھی۔ اس کا ایک ہی تین سال کا بیٹا تھا لہٰذا وہ رکنے پر بخوشی راضی ہو گئی تھی اس کے بعد امی آ جاتیں۔ کیونکہ ان کو بھی میاں اور بیٹے کو دیکھنا ہوتا تھا ان کے کھانے وغیرہ کا دھیان رکھنا ہوتا تھا۔

''پلیز.....اب اپنا اور بچے کا خیال رکھنا۔''

ارشد نے جمیلہ سے کہا اور وہ نظریں چرا کر رہ گئی، کہنے کو کچھ نہ تھا اس کے پاس وہ تو سب سے شرمندہ تھی۔ روبی باجی بھی اس کی حالت کا سن کر خیریت لینے آئیں تھیں۔ امی اور ارشد تو خاص طور پر انہیں خوب سنانا چاہ رہے تھے لیکن جمیلہ نے ہاتھ جوڑ کر ارشد کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ کیونکہ وہ روبی باجی کو جانتی تھی سارے محلے میں وہ اس کے بارے میں ایسی باتیں اڑاتیں جن کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہ ہوتا۔ امی نے ضرورا ان کو ڈھکے چھپے لفظوں میں چند الفاظ کہے جس کے جواب میں وہ صاف اپنا دامن بچا گئیں۔

''میں نے تو ٹھیک ہی دوا دی تھی اسی نے ہدایت پر صحیح عمل نہ کیا ہوگا اور پھر ایسا تو ہو ہی جاتا ہے، میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ غلطی تو بڑے بڑے ڈاکٹروں سے ہو جاتی ہے اب کیا ان سے بھی جواب دہی کرتے ہیں لوگ، بھئی ہم بھی بندہ بشر ہیں، شکر کریں آپ کی بیٹی کی جان بچ گئی۔'' روبی باجی بے نیازی سے کہہ رہی تھیں۔

''ہاں بس اس ذات کا شکر ہے جس نے میری بیٹی کی زندگی دے دی ورنہ لوگوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔'' امی کے دکھے دل سے نا چاہتے ہوئے بھی الفاظ نکل گئے جسے روبی باجی نے بڑی مشکل سے برداشت کیا لیکن ناگواری کے اثرات چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے۔ پھر جلد ہی وہ اٹھ کر چلی گئیں۔

جلد ہی جمیلہ سب گھر والوں کی دعاؤں اور مناسب دیکھ بھال کے بعد صحت یاب ہو گئی اور آہستہ آہستہ معمول کی طرف آ گئی۔ امی اور شگفتہ اب بھی دو چار دن کے بعد اس کے گھر آ جاتیں اور کئی کام کر دیتیں۔ جمیلہ شرمندہ ہی ہوتی رہتی۔ ارشد نے بھی اسے بھرپور توجہ دی تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہی رہتی اور اللہ سے رو رو کر توبہ استغفار کرتی اور پھر سب گھر والوں کی دعائیں باریاب ہوئیں۔ جمیلہ نے ایک صحت منداور تندرست بچے کو جنم دیا۔

اشعر بڑا پیارا بچہ تھا، گھر بھر کی آنکھ کا تارا، جمیلہ تو اسے دیکھ دیکھ کر جیتی تھی۔ حالانکہ سفیان بھی تھا لیکن نہ جانے اشعر میں ایسی کیا بات تھی کہ جمیلہ تو جمیلہ ارشد اور بہنیں بھی اس کی دیوانی تھی اس کی من موہنی صورت اور معصوم باتیں سب ہی کو اس کا گرویدہ بنائے ہوئے تھیں جیسے جیسے وہ عادتوں میں بڑا ہوتا جا رہا تھا ویسے ویسے سب کو اپنی طرف ہی کھینچتا جا رہا تھا۔ حیرت انگیز طور پر وہ سفیان کی ضد تھا۔ جمیلہ اور ارشد جو کہتے وہ وہی کرتا۔ وہ نہ والدین کو اور نہ ہی بہنوں کو کسی بات پر ستاتا، نہ ضدیں کرتا۔ نہ ہی کسی سے لڑتا جھگڑتا یا روتا۔ جمیلہ اسے جس طرح کہتی اس کی فرمانبرداری کرتا اور جمیلہ کے دل سے اس کیلئے دعائیں پھوٹتیں کبھی تو وہ دل مسوس کر رہ جاتی کہ اس بچے کو وہ دنیا میں آنے سے روک رہی تھی لیکن خدا کی قدرت کے آگے کمزور انسان کا کیا زور! خدا نے وہ بچہ اسے دینا تھا اور وہ دے دیا۔

اشعر سات سال کا ہو گیا تھا اور اب نیا نیا دوسری کلاس میں گیا تھا۔ جب سے نئی کلاس میں آیا تھا بڑا خوش تھا ٹیچر نے اسے کلاس کا مانیٹر بنا دیا تھا کیونکہ وہ اسکول میں بھی اپنی پیاری عادتوں کے باعث طلباء اور استانیوں میں یکساں مقبول تھا۔ نہ صرف عادتیں اچھی تھیں بلکہ پڑھنے میں بھی بڑا تیز تھا۔ اسکول کا کام بھی وقت سے کرتا اور پابندی سے روز جاتا جس کی وجہ سے اسکول میں بھی سب اسے پسند کرتے۔

اس دن کی ابتداء بھی عام دنوں کی طرح ہوئی تھی۔ سب بچوں کو اسکول بھیج کر جمیلہ نے معمول کے کام نبٹائے تھے۔ بچے گھر آ گئے تو انہیں کھانا دیا۔ کھانا کھا کر کوئی تو سو گیا اور کوئی کھیل میں لگ گیا تو کسی

نے ٹی وی کھول لیا تھا۔ اشعر واحد تھا جس نے کھانا کھا کر اسکول کا ہوم ورک کیا تھا۔ شام میں حسب معمول بچے کھیل رہے تھے۔ بچے عموماً چھت پر چلے جاتے تھے۔ وہاں جگہ تھوڑی کھلی تھی اور پھر ہوا بھی چل رہی ہوتی۔ اکثر جمیلہ بھی چھت پر جا کر اپنا کوئی کام لے کر بیٹھ جاتی۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔ نیچے صحن میں کھیلتے کھیلتے سب چھت پر چلے گئے۔ چونکہ دیواریں چھت کی اونچی تھیں لہٰذا جمیلہ بھی مطمئن رہتی۔ ہاں سیڑھیاں کچھ کچی تھیں ان پر سیمنٹ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہر وقت اترنے چڑھنے کی وجہ سے سب گھر والے انہی سیڑھیوں کے عادی ہو چکے تھے۔ آج جمیلہ اوپر نہیں گئی تھی نیچے ہی بیٹھی پالک صاف کر رہی تھی۔ اوپر بچوں کے کھیلنے کا شور سنائی دے رہا تھا۔ اس نے سر اونچا کیا تو اسے اشعر نیچے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے مسکرا کر ایک نظر اشعر پر ڈالی اور پھر پالک کے پتوں کو کاٹنے لگی اور یہی وہ لمحہ تھا جب اشعر کا نہ جانے کیسے سیڑھی اترتے ہوئے پیر مڑا اور وہ سنبھلتے سنبھلتے بھی سیڑھیوں سے لڑھکتا چلا گیا ایک تیز چیخ اس کے منہ سے نکلی تھی۔ جمیلہ نے ایک جھٹکے سے سر اٹھایا اور چھری اور پالک پھینکتی ہوئی وہ بجلی کی سی تیزی سے بھاگی۔

''اشعر، میرے چاند.....'' جمیلہ کی چیخیں نہ رکنے والی تھیں۔ چھت سے چاروں بچے بھی بھائی اور ماں کی خوفناک آوازیں سن کر دوڑے آئے۔ اشعر سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا آخری سیڑھی پر آ کر رک گیا تھا۔ جمیلہ نے اسے ہلایا جلایا لیکن وہ مکمل طور پر بے ہوش ہو چکا تھا۔

''اپنے بابا کو فون کرو، جلدی کرو، سعدیہ تم برابر والی آنٹی کو بلاؤ، میں اسے لے کر ہسپتال جا رہی ہوں۔'' جمیلہ بدحواس ہو چکی تھی اس نے اشعر کو جلدی سے گود میں اٹھایا اور دروازے کی طرف بھاگی اور عین اسی وقت ارشد گھر میں داخل ہوا۔

''کیا ہوا؟'' ارشد کیلئے یہ صورتحال غیر متوقع تھی۔

''جلدی کریں، ہسپتال.....'' جمیلہ سے جملہ پورا نہ ہوا، آنسو دیوانہ وار بہہ رہے تھے۔

''بابا اشعر سیڑھی سے گر گیا۔'' سعدیہ سے چھوٹی عافیہ نے باپ کو بتایا اور ارشد الٹے پیروں دروازے سے باہر نکلا اس نے باہر نکل کر دوڑ لگائی اور جلدی سے رکشہ لے آیا۔ اشعر کو لے کر وہ دونوں اسی وقت ہسپتال بھاگے تھے۔ سارا راستہ جمیلہ اور ارشد، اشعر کو آوازیں دیتے رہے، اسے چومتے رہے، ہلاتے رہے کہ شاید وہ ہوش میں آ جائے۔ لیکن اشعر کوئی ریسپانس نہیں دے رہا تھا۔ خدا خدا کر کے ہسپتال پہنچے اور اسے ایمرجنسی میں لے گئے۔ ڈاکٹروں نے اسے چیک کیا اور پھر وہ ہوا جس کا کسی نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ ڈاکٹر نے ارشد کے پاس آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مایوسی سے سر ہلا کر ''سوری'' کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ اور ارشد فق چہرے کے ساتھ ڈاکٹر کو دیکھ کر رہ گیا۔ ارشد نے کچھ فاصلے پر کھڑی' دعاؤں کا ورد کرتی، کانپتی لرزتی جمیلہ کو دیکھا جس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے اس نے ڈاکٹر اور ارشد کو دیکھا اور نا سمجھی سے ارشد کو دیکھنے لگی۔ اس کے اندر اتنی ہمت بھی نہیں تھی کہ وہ ارشد سے یہ پوچھتی کہ ڈاکٹر نے کیا کہا ہے۔ چند لمحے اسی طرح آگے کھسک گئے۔

''ار.....ارشد! ڈاکٹر نے.....کیا کہا؟'' جمیلہ نے اپنی ہمت مجتمع کر کے ہکلاتے ہوئے آہستہ سے ارشد سے پوچھا۔ اور ارشد جو ڈاکٹر کے جواب کے بعد گم صم کھڑا تھا اس نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے لڑکھڑاتی جمیلہ کو دیکھا اور اپنے ہونٹ بھینچتا نفی میں سر ہلانے لگا۔

''کک.....کیا مطلب؟ جمیلہ نے اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے کہا۔

''ہمارا اشعر.....ہمارا بچہ.....چلا گیا۔'' ارشد کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''کہاں، کیا کہہ رہے ہیں؟'' جمیلہ واقعی نہیں سمجھی تھی۔ لیکن اب ارشد سے اس کی بات کا جواب نہیں دیا گیا اور وہ جمیلہ کو پکڑ کر پاس پڑی کرسیوں پر بیٹھ گیا۔ اس کی ٹانگوں میں سے جیسے جان نکل سی گئی تھی۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ اندوہناک خبر وہ کس طرح بیوی کو سنائے اور پھر بمشکل اس نے جمیلہ کو ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اشعر کی موت کا بتایا۔ لیکن جمیلہ سے یہ سب سنا نہ گیا وہ اس سے پہلے ہی بے ہوش ہو چکی تھی۔

ارشد نے بڑی مشکل سے ہمت کر کے اپنے اور جمیلہ کے گھر والوں کو فون کر کے اس ناگہانی حادثے کے بارے میں بتایا۔ جمیلہ کو نرسوں نے فوری طور پر بیڈ پر لٹا دیا تھا اور ٹریٹ منٹ دے دی تھی۔ گھر

والے فوراً ہی ہسپتال آ گئے تھے۔ضروری کارروائی کے بعد ہسپتال والوں نے اشعر کو، ان کے حوالے کر دیا تھا۔ اشعر کی موت، ڈاکٹروں کے مطابق اس کے گرتے ہی واقع ہوگئی تھی۔ دماغ پر لگنے والی چوٹ موت کا باعث بنی تھی۔ جمیلہ کے گلشن میں کھلنے والا سب سے دلفریب پھول اچانک ہی مرجھا گیا تھا۔ جمیلہ اور ارشد کیلئے یہ صدمہ نا قابل برداشت تھا۔ جمیلہ کو اس حادثے سے سنبھلنے کیلئے بہت وقت درکار تھا۔

☆.....☆.....☆

اشعر کی ناگہانی موت کو کئی ماہ گزر گئے تھے۔ جمیلہ کے جسم سے تو جیسے کسی نے جان ہی کھینچ لی تھی۔ کئی ماہ گزرنے کے باوجود وہ جیسے چلتی پھرتی لاش لگتی۔ ارشد نے تو بڑی ہمت کر کے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لیکن جمیلہ اپنے آپ کو سنبھال نہ پا رہی تھی۔ بظاہر وہ سارے گھر کے کام کرتی، بچوں کی دیکھ بھال کرتی لیکن خوشی جیسے اس کی زندگی سے نکل گئی تھی وہ اب بھی اشعر کو یاد کر کے روتی رہتی، اس کے کپڑے، جوتے، کتابیں سینے سے لگائے چپکے چپکے آنسو بہاتی رہتی۔ سب اس کو دوسرے بچوں کا واسطہ دیتے کہ ان کی خاطر زندگی کی طرف آؤ۔

''میں زندہ ہوں، سانس لے رہی ہوں، یہ کافی نہیں۔'' وہ ایک آہ بھر کر کہتی اور کہنے والے خاموش ہو کر رہ جاتے۔

اشعر کو گئے دو سال ہو گئے تھے۔ جمیلہ اب سنبھل چکی تھی۔ وہ زندگی کی طرف آہستہ آہستہ آ چکی تھی۔ زندگی معمول کی طرح گزر رہی تھی کہ آج بڑے عرصے کے بعد اس کی سہیلی اور پرانی محلّہ دار نورین اس سے ملنے آئی تھی۔ نورین کو اس محلے سے گئے ڈھائی سال ہو چکے تھے اور اسے پچھلے دنوں ہی اشعر کے متعلق معلوم ہوا تھا وہ آج جمیلہ سے تعزیت کرنے آئی تھی۔

''وقت کو تو سچ مچ پر لگ گئے ہیں۔ یہ محلّہ چھوڑے مجھے ڈھائی سال گزر گئے، شروع میں تو ہمارا تمہارا رابطہ رہا لیکن پھر وہ بھی مصروفیات میں ختم ہو گیا اب اشعر کا بھی، میرے میاں کو کوئی پرانے محلّہ دار ملے تھے کہیں، انہوں نے بتایا۔ بس میں تو سن کر دوڑی آئی۔''

''ہاں نورین، بس اچانک ہی ہوا سب'' جمیلہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

''بظاہر میں اب ٹھیک ہوں، لیکن میں نے کس طرح اپنے اشعر کی موت پر صبر کیا ہے یہ کوئی نہیں جان سکتا، بہت وقت لگا مجھے نارمل ہونے میں، لیکن اشعر کی یاد اب بھی میری ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ ہے۔ بھولتا ہی نہیں مجھے وہ۔'' جمیلہ کے آنسو بہنے لگے تھے۔

''نہ رو میری بہن'' نورین نے جمیلہ کا ہاتھ تھاما ''ہم دونوں کا دکھ سانجھا ہے۔ اشعر یہ وہی بچہ ہے نا جس کو ضائع کرنے کی تم نے کوشش کی تھی۔'' نورین نے اسے پرانی بات یاد دلائی۔

''ہاں، لیکن..... یہ تم کیوں کہہ رہی ہو۔'' جمیلہ بری طرح چونکی۔

''تمہیں یاد ہے ایسی ہی ایک کوشش میں نے بھی کی تھی۔''

''تم نے؟ آں.....'' جمیلہ نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''بھول گئیں تم میری حنا شہزادی کو۔'' نورین جمیلہ کو پانچ سال پرانی بات یاد دلانے کی کوشش کی وہ اپنی بیٹی کو حنا شہزادی کہتی تھی۔

''ہاں ہاں، جس کو ٹائیفائیڈ ہو گیا تھا اور جو بعد میں.....'' اسے میں کیسے بھول سکتی ہوں۔ سال بھر کی تو ہو گئی تھی وہ، یہاں سے وہاں سارے گھر میں بھاگتی تھی۔'' جمیلہ کو یاد تھا۔

''ہاں وہ میری پھول سی گڑیا، ان دنوں ٹائیفائیڈ پھیلا ہوا تھا میری شہزادی کو بھی ہو گیا۔ اور وہ چند دن بخار میں مبتلا رہ کر ہم سب کو چھوڑ کر چلی گئی۔''

نورین چند لمحہ خاموش رہی جیسے اپنے آپ کو نارمل کر رہی ہو، اپنی بچی کی یاد آج بھی اسے تڑپا دیتی تھی۔ پھر تھوک نگلتے ہوئے ایک پھیکی ہنسی چہرے پر لائی۔

''کتنے ٹائم تک میں بھی پاگلوں کی طرح اس کو یاد کر کے روتی رہی میری ہنستی کھیلتی بچی چند دن میں ہی چٹ پٹ ہو گئی تھی۔ لیکن پھر پتہ ہے کیا ہوا؟'' نورین نے لمحہ بھر کا وقفہ لیا۔

''میری خالہ ساس جو دوسرے شہر میں رہتی تھیں وہ ہمارے گھر اکثر رہنے آتی تھیں۔ میرے میاں کو اپنی ان خالہ سے بہت محبت ہے لہٰذا وہ جب حنا کی موت کے بعد ہمارے ہاں آئیں اور میری دگرگوں حالت دیکھی تو مجھے صبر شکر نے کا کہتیں کہ جس کی امانت تھی اس نے لے لی پھر

ایک دن مجھے بٹھا کر ایک ایسی بات کی کہ میں تو حیران ہی رہ گئی۔''
نورین خاموش ہوئی تو جمیلہ کی نظروں میں بھی سوال تیر گیا۔

''میں نے تو کبھی اس پر سوچا بھی نہ تھا، انہوں نے مجھے کہا کہ جب خدا تم کو اپنی رحمت سے نواز رہا تھا لیکن تم اس سے منہ موڑ رہی تھیں، وہ تمہیں دنیا کی سب سے قیمتی شے دے رہا تھا لیکن تم اسے دھتکار رہی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ تم وہ بچہ ضائع کر رہی تھیں اس نے تمہیں اولاد دے دی کیونکہ خدا کی قدرت کے آگے بندہ بے بس ہے اور جب وہ رحمت تمہارے پاس آ گئی تو تم اس کی محبت میں مبتلا ہو گئیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ نعمت تم نے خوشی سے نہیں بلکہ بنا چاہے لی تھی۔ پھر خدا نے وہ نعمت تم سے واپس لے لی، اب تم کیوں روتی ہو؟ جب تمہاری کوششوں سے نہیں لی تو کیا، اب لے لی، کچھ زیادہ فرق تو نہیں پڑا، ایک سال پہلے نہ لی، ایک سال بعد لے لی، تمہاری مرضی کے مطابق تو ہو گیا نا! اور میں یہ سب سن کر کانپ کر رہ گئی میں یہی تو چاہتی تھی اور جب میری خواہش پوری ہو گئی تو اب میں اللہ سے شکوے شکایت کر رہی تھی کہ اس نے میری بچی کیوں لے لی۔'' نورین نے بڑی تفصیل سے اپنی بات بتائی تھی اور اتنا کہہ کر وہ تھک سی گئی تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے گرتے قطروں کو رومال سے رگڑنے لگی۔

جمیلہ سن بیٹھی تھی اس کے دماغ میں ایک ہی بات ہتھوڑے کی طرح وار کر رہی تھی، اس کو لمحہ لمحہ پیس رہی تھی..... سات سال پہلے نہیں، سات سال بعد.....

☆.....☆.....☆

آکاش کے اُس پار

امریکہ خوبصورت ہے۔لیکن اگر آپ کی اولاد وہاں ہو تو اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اور اگر بیٹی ہو تو سمدھیانے کا تعلق اور بھی نازُک ہو جاتا ہے۔اب تو امریکہ کی پالیسیوں پر تنقید کرنا بھی ایسا ہی ہے جیسے بیٹی کے سسرال کی بہت سی باتوں پر خاموشی اختیار کرنا ہی مصلحت کہلاتا ہے۔

ان سب کے باوجود ہم جیسے مست خراموں کیلئے امریکہ کا سفر کرنا آسان نہیں۔ پہلے تو ویزا حاصل کرنے کے مراحل سے گزرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔زینب کے بار بار اصرار پر جب ہم ہوں ہاں کر کے ٹالتے رہے اور ویزے کے حصول کیلئے کوئی خاطر خواہ کام نہ کیا تو بالآخر اسے خود آنا پڑا۔فارم بھرنے سے لے کر انٹرویو کیلئے جانے لگے تو وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی، پلیز کوئی حماقت نہ کیجئے گا سنجیدگی سے انٹرویو دیں۔

اب ہم تو انٹرویو کیلئے سنجیدہ تھے لیکن انٹرویو لینے والے موصوف سنجیدہ نظر نہیں آتے تھے۔ بہت ہی دلچسپ اور آسان سا انٹرویو کیا مگر ایک سوال پر ہمیں آزمائش میں مبتلا کر دیا۔ بڑے انداز سے دیکھ کر فرمانے لگے، یہ تمہارا شوہر کیسا انسان ہے؟ لو جی وہی انگریز کی پالیسی کہ لڑاؤ اور حکومت کرو اگر اس وقت لاشعور، بے قابو ہو جاتا اور سب اگلی پچھلی اگل دیتا تو امریکہ تو کیا ہم گھر واپس جانے کے قابل بھی نہ رہتے۔ بھلا ہو شعور کا کہ اس نے معاملہ سنبھال لیا اور ہم نے مسکراتے ہوئے کہا، اچھا شوہر ہے اسی لئے تو امریکہ لے کر جا رہا ہے۔بس بات بن گئی اور ان ظالموں نے ہمیں ویزا دے دیا۔

اب ہم جیسے مست خرام لوگوں کیلئے کوئی عذر نہ رہا اور امریکہ کی تیاری کرنا ہی پڑی۔اس انٹرویو کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ میاں صاحب کو تجدید وفا کی سند مل گئی اور وہ سب کو فخر سے بتانے لگے کہ اس نے امریکی کونسلیٹ میں اقرار کیا کہ میں ایک اچھا شوہر ہوں۔

19 مارچ 2014ء کو ٹرکش ایئر لائن سے امریکہ کیلئے روانگی کا ارادہ کیا۔ٹرکش ایئر لائن منتخب کرنے کی ایک وجہ بھی تھی کہ ٹی وی ڈرامہ سیریل ''میرا سلطان'' کی حورم نے ترکی کے حسن کا بول بالا کر دیا تھا۔ پہلے تو کوشش تھی کہ دو تین روز وہاں رکنے کا اہتمام ہو جائے تو امریکہ کا مزہ دوبالا ہو جائے گا کہ ترکی مفت میں ہاتھ آ گیا۔لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا اور ہمیں استنبول ایئر پورٹ پر پانچ گھنٹے کے ٹرانزٹ پر ہی گزارا کرنا پڑا۔

بہر حال امریکہ کیلئے جہاز میں سوار ہوئے تو ہماری ہوشیاری نے ہماری زحمت بڑھا دی تھی۔ ہوا یوں کہ سفر پر روانگی سے پہلے ٹانگ کی تکلیف میں شدت آ گئی۔ میاں صاحب نے خاص استدعا کر کے ایمرجنسی میں کھلنے والے دروازے کے پاس سیٹ رکھوالی۔ بلاشبہ ایک پورے صحن جتنی کھلی جگہ میسر تھی جس میں ٹانگ تو بخوبی سیدھی جا سکتی تھی لیکن دماغ کو کسی صورت کچن کے کام اور کھانوں کی خوشبو سے باہر نہیں لایا جا سکتا تھا۔دائیں جانب کچن تھا جس کا کام کسی وقت بھی سمیٹنے میں نہیں آ رہا تھا۔ بلاشبہ ایئر ہوسٹس بہت حسین تھیں لیکن ''پس پردہ'' بیٹھنے والے لوگوں کو مسکراہٹ کے ساتھ چائے پانی پیش کرتی ہوئی وہ شاید حسین لگتی ہوں گی ہمارے سامنے تو وہ جھنجھلاہٹ میں مبتلا تیز تیز ہاتھ پاؤں چلاتی وہ ''ماسیاں'' لگ رہی تھیں جن کے گھر بہت سے مہمان آ گئے ہوں اور انہیں کم وقت میں ان بہت سے مہمانوں کو عمدہ طریقے سے نمٹانا ہو۔ تمام وقت آوازیں، تیاریاں، گھبراہٹ، کھانے نکالنا، کھانے گرم کرنا، مشروب، چائے ..... بے چاریوں کو ایک لمحے کی فرصت نہ تھی۔ ہر لمحہ انسان سیکھتا ہے۔پہلی مرتبہ دیکھا کہ اتنے چھوٹے سے کچن سے تین سو لوگوں کے کھانے پینے کا یہ سب سامان کیسے دستیاب

ہوتا ہے۔ نجانے کون کون سے خانوں سے وہ کیا چیزیں نکالتیں پھر ان خانوں کے پیچھے درازوں سے سامان نکالتیں اسے ٹرے میں لگاتیں اسے سجاتیں اور پیش کرنے سے پہلے کئی مراحل سے گزرتیں۔ اس روز پتہ چلا کہ ایئر ہوسٹس کو بھی کتنا کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک ایئر ہوسٹس کیلئے بھی ایک ماہر گھریلو خاتون ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ہمارا تصور تو یہی تھا کہ بس خوب تیار ہو کر وہ مسکراتے ہوئے مسافر کے سامنے ٹرے رکھتی ہیں۔ اصل مہارت اس میں نظر آتی تھی کہ ساتھ ہی ساتھ کچن کو اس طرح صاف کرتے جانا ہے کہ کوئی بھی چیز باہر پھیلی ہوئی نظر نہ آئے ٹرکش ایئر لائن کا عملہ ایک معاملے میں پاکستانی عملے سے ملتا ہوا نظر آیا کہ ان کے چہروں پر بھی مسکراہٹ نہ تھی۔ اگرچہ حسن میں کوئی کمی نہ تھی۔

اس شور شرابے اور ہنگامے میں نیند کا کیا کام! بس پٹر پٹر آنکھیں کھول کر ان کی آنیاں جانیاں دیکھتے رہے۔ مجھے تو لگ رہا تھا کہ انہیں بھی ہم اچھے نہیں لگ رہے جو ان کی ہر ہر حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

بہر حال سفر تو سفر ہی ہے اور اگر جاری رہے تو ختم بھی ہو ہی جاتا ہے۔ امریکہ کے ایئر پورٹ پر اترنے کی نوید سن کر ہم نے بھی اپنی خوابیدہ آنکھوں کو جگانے کی کوشش کی اور ہاتھوں کی کنگھی سے ہی اپنے حسن کو دوبالا کر لیا۔ اتنے میں تمام وقت کام میں مصروف رہنے والی ایئر ہوسٹس ہمارے سامنے کی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی اور سیٹ بیلٹ باندھ کر لینڈنگ کیلئے تیار ہو گئی۔ ایک سلوٹ اس کے لباس میں نہ تھی، چہرہ ویسے ہی تر و تازہ تھا، بالوں کی سیٹنگ برقرار تھی ایسے لگ رہا تھا گویا ابھی ابھی پارلر سے آئی ہوں حالانکہ ہمارے سامنے ان کی تمام رات باورچی خانے کو سمیٹتے سمیٹتے گزری تھی۔

ایک وقت تھا کہ پاکستانیوں کیلئے امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھنا چاند پر قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ لیکن اب شاید ایسا نہیں رہا کہ بآسانی یہ سفر کیا جا سکتا ہے۔ البتہ میرے لئے یہ سفر چاند پر قدم رکھنا نہ سہی، چاند کا دیدار کرنے کیلئے ضرور تھا۔ امیگریشن کے مراحل صبر آزما لگ رہے تھے اور جی چاہ رہا تھا کہ جلدی سے یہ حجاب ہٹ جائیں اور میں اپنی بیٹی سے مل لوں۔ نجانے ہماری شکلیں اور حلیے ایسے تھے یا ہمارے چنگھاڑتے ہوئے سوٹ کیسوں کی تعداد کہ ہم دھر لئے گئے اور اب سامان کی چیکنگ شروع ہو گئی۔ مطمئن تو ہم تھے کہ ہمارے پاس کچھ قابلِ اعتراض نہ تھا۔ البتہ آمنہ کی شادی کی وجہ سے چم چم کرتے کپڑوں کی کثرت تھی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا، آپ کو کتنا عرصہ یہاں رکنا ہے؟

یہی کوئی ڈیڑھ یا دو مہینے، ارشد نے جواب دیا۔

تو پھر اتنا سامان کیوں ہے؟

ہم نے وضاحت کی یہ سب رشتہ داروں کے تحائف ہیں۔ بڑی مشکل سے اس کی تسلی کرائی۔ لیکن ایک اچھی بات یہ تھی کہ وہ سوٹ کیس کھول کھول کر پھیلاتا نہیں رہا بلکہ انہیں بڑے سلیقے سے سمیٹ کر اور زِپ بند کر کے ہمیں دیتا۔ ہمارے چھ سوٹ کیسوں کی تلاشی تک تقریباً تمام مسافر جا چکے تھے۔ اب ہم تنہا بے بسی سے اس کو دیکھ رہے تھے جسے آمنہ کے کام والے شادی کے کپڑے بہت دلچسپ لگ رہے تھے۔

بڑی مشکل سے فارغ ہو کر باہر نکلے تو تمام عزیز و اقارب بے چینی سے منتظر بھی تھے اور پریشان بھی ہو رہے تھے کہ خدا خیر کرے کیا وجہ ہو گئی۔ ہماری شکلیں دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی اور اتنے محبت بھرے چہرے دیکھ کر ہم بھی سفر کی تمام تکان اور کوفت بھول گئے۔

لوگ کہتے ہیں کہ امریکہ کا نشہ ہوتا ہے۔ کیوں بھئی، وہی آسمان ہے اللہ کا بنایا ہوا، وہی زمین پاؤں جمانے کے لئے جیسی پاکستان میں بھی ہے۔ باقی بلڈنگیں اور سڑکیں..... ہاں مگر نشہ تھا وہاں رشتوں اور محبتوں کا۔ اپنے ماموں کے گھر داخل ہوتے ہی ایسے محسوس ہوا جیسے میرا بچپن لوٹ آیا اور آج بھی ان کی نظر میں میں وہی گول مٹول، بونگی، ضد کرتی بھانجی ہوں اور جب میری بیٹی زینب نے میری گود میں سر رکھا تو وہ ڈاکٹر زینب نہیں بلکہ وہی معصوم سی زینب تھی جس کی سادگی کی وجہ سے ہم سب اسے ''لُدھر'' کہا کرتے تھے کیونکہ وہ ہر کام نہایت سست رفتاری سے کرتی تھی۔ زینب کی شادی کے بعد اس کے گھر میں ہماری پہلی مرتبہ آمد تھی۔ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں کہ زینب کی دعائیں ہی یہاں کھینچ کر لائی تھیں۔ اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے اور ایسی شفقت اور محبت سے وہ ماں، باپ کے چہروں پر نظر ڈالتی کہ نجانے کتنے حج کا ثواب سمیٹ لیا

ہوگا۔

رات کے کھانے پر تمام عزیز و اقارب یکجا تھے۔ ہمارے لئے تو دن رات پلٹ چکے تھے لہٰذا ہم بڑا فریش محسوس کر رہے تھے کہ ابھی پاکستان کے مطابق ہمارا دن چل رہا تھا۔ جاتے ہوئے خالہ عذرا نے مجھے کہا کہ کل مسجد میں ہمارا اجتماع ہے تمہیں چلنا ہو تو صبح دس بجے تمہیں لے لوں، حالانکہ میں جانتی ہوں تمہاری رات شروع ہو جائے گی اور تم جاگ نہ سکو گی۔ لیکن مجھے تو یہ پیغام وہ اصل مقصد لگا جس کی وجہ سے میں اس سرزمین پر آئی تھی میں نے بہت خوشی سے حامی بھر لی اور میں خود حیران تھی کہ اگلے روز دس بجے میں بڑی چاق و چوبند تیار کھڑی تھی۔

کفر کی سرزمین پر کلمہ حق بلند کرنے والے بڑے مجاہد ہیں۔ پاکستانیوں کی ایک نسل جو گزشتہ تیس برس سے یہاں آباد ہے انہوں نے مل کر یہ مسجد بنالی جس نے بعد میں آنے والی نسلوں کو دین سے جوڑے رکھا۔

مسجد میں خواتین جمع تھیں۔ سب اتنی محبت اور تپاک سے ملیں کہ فوراً ہی اجنبیت دور ہوگئی اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ہمارا تو برسوں کا ساتھ رہا ہے یہ محبت و اپنائیت اس دین کی عطا کی ہوئی تھی جس کے پیروکار امریکہ میں ہوں یا افریقہ میں، جب بھی ملیں گے کوئی اجنبیت باقی نہ رہے گی۔

درس کے بعد ہر ایک کو بات چیت کرنے کا موقع دیا گیا۔ جس نے جو تیاری کی تھی وہ سب سنا دیا۔ ایک بہن نے کلامِ اقبال بھی سنایا۔ مجھے اس لحاظ سے بہت اچھا لگا کہ اسلام کو تو ہر صورت اللہ نے زندہ رکھنا ہے لیکن انہوں نے اردو زبان اور فکرِ اقبال کو بھی زندہ رکھنے کی کوشش کی۔ ویسے تو میں سننے ہی کے ارادے سے آئی تھی لیکن جب کچھ سنانے کے لئے کہا گیا تو مجھے بڑی سعادت لگی کہ کائنات کے اس گوشے میں بھی اپنی آواز اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثناء میں ریکارڈ کرا جاؤں۔ آخرت میں یہ گوشہ ہی گواہی دے ڈالے میرے حق میں۔ بعد کے آنے والے دنوں میں مسجد سے خاص رابطہ رہا اس لئے بھی کہ مسجد صرف عبادت گاہ نہیں بلکہ معاشرتی احوال کے لئے بھی ایک اہم جگہ تھی۔

امریکہ کی رنگینیاں دیکھنے سے پہلے ہم آمنہ کی شادی کی رنگینیوں میں کھو چکے تھے۔ امریکہ میں ہر طرح کی شادیاں دیکھنے کو مل سکتی ہیں۔ ایسی بھی کہ مسجد میں نکاح ہوا اور لڑکی چپ چاپ لڑکے کے گھر جا اتری اور ایسی بھی کہ شادی کی دھوم دھام دیکھ کر آپ چودھریوں، وڈیروں کو بھول جائیں۔ بہرحال نکاح کیلئے مسجد کو ہی پسند کیا جاتا ہے۔ دنیا ایک گلوبل ولیج ہے اس لئے اب پاکستان کی مریم، حرا ہوں یا امریکہ کی آمنہ، رابعہ ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ بہت جلد بچے آپس میں گھل مل گئے زبان کی اجنبیت یوں محسوس نہ ہوئی کہ وہاں پلنے بڑھنے والے بچے بھی اردو زبان سمجھتے اور بولتے تھے۔ البتہ ان کی انگریزی ہمارے قابو میں نہ آتی تھی۔ آمنہ کی ساس کیلیفورنیا سے آئیں۔ سادہ سی عورت تھیں۔ سر کو اچھی طرح سکارف سے لپیٹا ہوا اور قمیض شلوار پہنے ہوئے، مگر جب انہوں نے خالص پنجابی میں ہمارا حال احوال پوچھا تو اندر تک روح سرشار ہوگئی اور ہم نے بھی اپنی پنجابی کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ بس تھوڑی ہی دیر میں فاصلے مٹ گئے اور زبان کی محبت دلوں کی محبت میں تبدیل ہوگئی۔

امریکہ میں بچیاں بڑے روائتی انداز میں شادی بیاہ کی رسومات ادا کرتی ہیں۔ مہندی لگوانا، چوڑیاں پہننا، خاص کام والے ملبوسات میں سجنا انہیں بہت پسند ہے۔ کپڑوں کا ایسا اہتمام شاید ہم پاکستان میں بھی نہ کر سکتے ہوں جیسا وہاں دیکھنے میں آیا۔ ڈھولک پر گیت گانا، خاص روائتی رقص کرنا سب کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا تھا۔ ہر جگہ اور ہر مقام پر دو گروپ بڑے واضح نظر آتے تھے ایک تو ہم پرانے بوڑھے پاکستانیوں کا اور دوسرے وہ نوجوان جن کی نسل امریکہ ہی میں پیدا ہوئی اور یہیں پروان چڑھی۔ یہ بچے پرخلوص اور ادب احترام کرنے والے تھے۔ ان میں طبقاتی تضاد نظر نہیں آتا، کوئی کسی کو کسی معاملے میں خود سے کمتر نہیں سمجھتا۔ یہ بچے ماڈرن ضرور ہیں لیکن منافق نہیں۔ آپ ان سے کسی بھی بات کی توقع رکھ سکتے ہیں کیونکہ یہ بغیر لگی لپٹی رکھے بولتے ہیں اور صاف صاف بات کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ اسلام بھی ان میں کافی

پاپولر ہے مگران کا اسلام پاکستان سے ذرا مختلف اور یہاں کی ضروریات کے مطابق ہے خاص طور پر معاشرتی رہن سہن میں۔لیکن اسلامی قواعد کی پابندی ہے۔خاص طور پر باجماعت نماز کا اہتمام ہونا بہت اچھا لگتا تھا۔

پاکستانی مسلم کمیونٹی نے اپنی جوان نسل کو ایک دوسرے کے ساتھ اچھے طریقے سے جوڑے رکھا ہے۔ دوست احباب میں بھی اجنبیت نہیں تھی سب ایک گھر کے افراد کی طرح ایک دوسرے کی خوشی غمی میں شرکت کرتے ہیں۔شادی کے پروگرام کو زیادہ دلچسپ بنانے کیلئے یہ نوجوان بڑے دلچسپ ایکٹ کرتے ہیں اور باقاعدہ یہ خاکے لکھنے کے بعد ان جیسا روپ دھارا جاتا ہے۔ایک پورا پروگرام تیار ہوتا ہے۔اس میں کیا ہوگا یہ سب اس وقت ہی پتہ چلتا ہے جب پروگرام شروع ہونے کی اناؤنسمنٹ ہوتی ہے اور سب کو متوجہ کیا جاتا ہے۔عمر، قاسم اور یحییٰ بڑے دلچسپ بچے تھے۔یحییٰ جب کسی مزاحیہ کردار کے روپ میں ہوتا تھا تو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی خوبصورت قرأت کرنے والا حافظ قرآن ہے جو مسجد اور کمیونٹی کے کاموں میں اتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے کہ اس کی نوجوانی کی کاوشوں پر رشک آتا ہے،اس کے کاموں کی فہرست سن کر میں سوچ میں پڑ جاتی کہ جب اللہ اس سے سوال کرے گا کہ جوانی کن کاموں میں گزاری تو یہ کتنے سکون سے جواب دے سکے گا۔

پاکستان کی طرح شادی صرف جمع ہونے اور کھانا کھلنے کا انتظار کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ لوگ جمع ہو جائیں تو اچھی باتوں کے سلسلے میں بھی انہیں مشغول رکھا جاتا ہے تاکہ وہ کچھ سن لیں اور یہاں سے کچھ سیکھ کر جائیں۔خالو ذاکر اکثر یہ کام کرتے ہیں۔سٹیج نوجوانوں کے سپرد کرنے سے پہلے وہ پرانے لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتے ہوئے ایک مختصر سے درس کا اہتمام کر لیتے اور پھر بچوں کے مزاحیہ خاکے ہوتے جو عموماً دولہا دلہن کی گزشتہ اور آئندہ زندگی سے متعلق ہوتے۔

کھانا شروع ہونے کی خبر بھی ہمارے ہاں کی طرح بمبار نہیں ہوتی۔سکون سے جا کر لوگ قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ قطار آہستہ آہستہ بُوفے کی میز کے گرد گھومتی ہے۔ یہاں وہ آزادی ختم ہو جاتی ہے کہ جہاں سے دل چاہا اپنی من پسند ڈش پر ہلہ بول دیا۔ سچ پوچھیں تو کچھ روایات اور رسوم کے اپنے ہی مزے ہیں۔اس خوشی کا تصور ہی عجیب ہے جب پاکستان میں شادی ہال میں بیٹھے بیٹھے اونگھنے کی نوبت آجاتی ہے اور پھر یکا یک کھانا کھلنے کی خبر دی جاتی ہے۔ ساتھ ساتھ بیرے اپنے مخصوص انداز میں ڈشوں کے ڈھکن اٹھاتے جاتے ہیں اور یہ سب ایک مخصوص ردھم میں ہو رہا ہوتا ہے۔ڈھکن اٹھ جانے سے بریانی،قورمہ،مچھلی، روسٹ ہر ایک خوشبو آزاد ہو کر پھیلنا شروع کر دیتی ہے۔بھوکے پیٹ میں یہ خوشبوئیں اشتہا پیدا کرتی ہیں۔لوگ لپک کر اپنی قریبی ڈش کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ پہلے آیئے پہلے پایئے کے اصول کے مطابق دھینگا مشتی کا سماں ہوتا ہے۔ بڑے بڑے مہذب لوگ بھی اس وقت اپنی تہذیب کو سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیتے ہیں۔ لیکن غالب کے فرمان کے مطابق ''ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق'' اب یہاں امریکہ میں دیکھے کوئی رونق،کوئی شور ہنگامہ نہیں، ایسے لگتا ہے جیسے لائن میں لگے آہستہ آہستہ آگے کی طرف کھسکتے یہ سب لوگ کھانوں کی تعزیت کیلئے آئے ہیں۔ بہرحال جی جیسا دیس ویسا بھیس، مجبوراً ہمیں بھی لائن میں لگنا پڑا۔اس تہذیب پر خون کے گھونٹ پہلے پیئے اور کھانا بعد میں کھایا۔ایک اور تکلیف دہ بات یہ تھی کہ اگر کھانے کے دوران آپ کو کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی اور آپ دوبارہ لینا چاہتے ہو تو پھر دوبارہ سے لائن میں لگنا ہوگا اور عین ممکن ہے کہ لائن میں لگے ہوئے آپ بھول بھی جائیں کہ دراصل لینے کیا آئے تھے۔اس لئے یہاں صبر اور شکر کا درس بھی ملتا ہے کہ جو مل گیا اسی پر صبر کر کے شکر کر لو اب دوبارہ کون لائن میں لگے۔

یہاں تک شادی کا حال سن کر آپ کیا سمجھے کہ شیطان آپ کو بھُلا بیٹھا ہے؟ جی نہیں، وہ بیٹھا مسکرا رہا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ ذرا پیٹ پوجا سے فارغ ہو جائیں پھر یہ بھی اپنا رنگ ڈھنگ دکھائے۔ڈی جے کی پکار پر لبیک کہنے والے آگے بڑھتے ہیں اور سارا منظر ہی آن کی آن میں تبدیل ہو جاتا ہے، گانے، میوزک ڈانس سب کی توجہ اس جانب مبذول ہو جاتی ہے۔ بوڑھے ٹھرکی بھی اپنی کرسیاں سیدھی کر لیتے ہیں۔ لاحول پڑھنے والے بھی تھوڑی تھوڑی دیر میں آنکھیں اٹھا کر دیکھ لیتے

ہیں۔اوراب ایمان کا وہ آخری درجہ چل رہا ہوتا ہے جس میں صرف دل میں اسے برا جانا جائے۔ بلکہ سچ پوچھیں تو شاید تھوڑی دیر میں یہ احساس بھی زائل ہو جاتا ہے۔

بزرگوں کے پاس یہ دلیل ہے کہ اس معاشرے میں رہتے ہوئے ہمیں کہیں بچوں کو گنجائش دینی پڑتی ہے۔ اگر زیادہ سختی کریں گے تو وہ غیر مسلموں کے ساتھ غلط ماحول میں یہ شوق پورا کریں گے۔ ویسے مجھے یہاں عطاء الحق قاسمی صاحب کی یہ بات یاد آرہی ہے کہ ہمارے کلچر میں شادی کے وقت لڑکی، لڑکے سے ضرور پوچھا جاتا ہے اگر وہ ہاں کریں تو شادی کر دی جاتی ہے اور اگر وہ نہ کریں تو بھی شادی کر دی جاتی ہے۔ اس لئے یہاں کے بزرگ بے بس ہیں اگر وہ نہ کریں تو بھی بچے یہی کریں گے۔ ویسے آپس کی بات ہے پاکستان میں ایک ٹرم ''شریفوں کے مجرے'' بہت مقبول ہے۔ وہ سب دیکھنے کے بعد امریکہ کے بچوں پر تنقید اچھی نہیں لگتی۔

ٹائم اسکوائر

ایک زمانہ تھا کہ ادب و آداب کا بہت لحاظ رکھا جاتا تھا۔ گفتگو میں بھی یہ سلیقہ روا رکھا جاتا کہ کسی کی براہ راست دل آزاری نہ ہو۔ لہٰذا کسی کو احمق کہنا مطلوب ہوتا تو پوچھا جاتا کیا فرسٹ اپریل کو پیدا ہوئے ہو؟ مگر میرے لئے اس دن کی اہمیت یوں دو چند ہو جاتی ہے کہ میرے شوہر کی تاریخ پیدائش فرسٹ اپریل ہے۔ اب مزید میں اس پر روشنی نہیں ڈالوں گی۔ لیکن ایک بات بہت طے شدہ تھی کہ ہر ایک کی سالگرہ کا دن بھلایا جا سکتا ہے مگر ارشد کا نہیں۔

شادی کے ہنگاموں سے فارغ ہوئے تو زینب کو خیال آیا کہ کیوں نہ ابا کی سالگرہ نیویارک میں منائی جائے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا! ہم تو ملنگ سادھو لوگ ہیں بلکہ یوں کہیں، بدل کر فقیروں کا ہم بھیس غالب، امریکہ کی سڑکوں کے ڈھنگ دیکھتے ہیں (غالب سے معذرت کے ساتھ) نیویارک تک کا سفر ہم نے بذریعہ بس طے کرنے کا فیصلہ کیا، اس لئے کہ اپنی پاکستانی بسوں میں سفر کے مزے تو بہت لئے تھے ضمیر جعفری کی نظم یاد آرہی تھی۔

کراچی کی بس میں سفر ہو رہا ہے
سوچا کہ اب ذرا امریکہ کی بس میں بھی لٹک کر دیکھ لیں۔

نیویارک روانہ ہونے کے لئے بس سٹاپ پر پہنچے۔ تقریباً معین وقت پر بس آ گئی۔ بڑے سکون اور اطمینان سے بس میں سوار ہوئے۔ ایک پختہ عمر کی خاتون بس چلا رہی تھی۔ انہوں نے ہماری توجہ دلائی کہ پہلے ٹکٹ حاصل کر لیں، پاکستانی بسوں کی طرح بعد میں کنڈکٹر آ کر ٹکٹ نہیں دے گا۔ ہم نے پچاس ڈالر کا نوٹ آگے بڑھا دیا۔ ان خاتون نے انکار کر دیا کہ آپ کو بائیس ڈالر ادا کرنے ہیں۔ پورے بائیس ڈالر دیں اور اگر نہیں ہیں تو نیچے اتر جائیں۔ پاکستان میں ہوتے تو سمجھا بجھا کر معاملہ طے کر لیتے لیکن ان کا اصول تھا کہ اتنے ہی پیسے ادا کرنے ہیں۔ لہٰذا بحث کئے بغیر بہت بے آبرو ہو کر امریکہ کی بس سے ہم اترے۔

اب سب ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس ملک میں بڑا نوٹ ملنا آسان ہے لیکن چھوٹے نوٹ اور ریزگاری ملنا مشکل ہے۔ سب نے اپنے اپنے پرس کھنگالنے شروع کئے بڑی مشکل سے ہم بائیس ڈالر پورے کر سکے اور دوبارہ بس کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

وقت مقررہ پر دوسری بس آئی۔ اللہ اللہ کر کے اس میں سوار ہوئے کہ دوبارہ کوئی Objection لگا کر Rejection نہ کر دیں۔ لیکن شکر کہ بس میں بٹھا لئے گئے۔

لاہوری بڑے خوش ہو کر ایک بات کہتے ہیں ''جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا'' یہاں بھی کچھ ایسی ہی بات ہے کہ جو نیویارک نہیں پہنچا وہ امریکہ آیا ہی نہیں۔ مریم کو تو حقیقتاً نیویارک جا کر ہی یقین ہوا کہ وہ امریکہ پہنچ گئی ہے اور پھر نیویارک سٹی میں دھڑکنے والا دل ٹائم اسکوائر ہے۔ یہ آرٹ اور کامرس کا معروف ترین مرکز ہے۔ فلموں کی عکس بندی میں بھی امریکہ کا کوئی نظارہ ٹائم اسکوائر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ مصروف ترین تجارتی شاہراہ ہے، سیاحوں کیلئے سب سے دلکش جگہ اور پیدل چلنے والوں کی مصروف ترین راہ گزر ایک اندازے کے مطابق تقریباً 3,60,000 لوگ یہاں سے روزانہ گزرتے ہیں۔ جو یہاں کام کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں اور سیاح بھی۔

یہاں کی خوبصورت ترین، لطف انگیز اور آرام دہ جگہ ''لال سیڑھیاں'' ہیں جو چلتے چلتے تھک جائے اپنے کھانے پینے کا اہتمام کرے اور بے تکلفی سے ان سیڑھیوں پر بیٹھ کر چاروں جانب نظارہ کرے، خوش گپیاں کرے یا سوچ بچار میں گم رہے۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں اور کسی کو کسی سے تکلیف نہیں۔ چاروں جانب بڑے بڑے اشتہاری کمپنیوں کے بل بورڈ پوری پوری فلمیں چلا رہے ہیں چونکہ یہاں حیا اور بے حیائی میں کوئی حدِ فاصل نہیں اس لئے خود ہی اپنا احتساب کرنا پڑتا ہے۔

ٹائم اسکوائر کی لال سیڑھیوں پر بیٹھنا ایک بڑے فخر کا معاملہ سمجھا جاتا ہے مگر مجھے لگتا ہے کہ زندگی میں بے شمار سیڑھیاں بڑی وقعت اور اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں ہم دوست سیڑھیوں پر ہی بیٹھ کر دکھ سکھ رویا کرتے تھے۔ بلکہ بعض سیڑھیوں کا نام ہی اس حوالے سے ''افسوس سیڑھیاں'' رکھ دیا گیا تھا کیونکہ جب بھی رونا دھونا ہوتا سہیلیوں کو ''افسوس سیڑھیوں'' پر آنے کا پیغام پہنچایا جاتا مگر ایک سیڑھیاں اس جہاں میں ایسی ہیں کہ جن کی لذت اور نشہ روح میں اتر جاتا ہے اور انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حرم پاک کے صحن کی وہ سیڑھیاں ہیں جن پر بیٹھ کر آپ صرف بیت اللہ کا نظارہ کرتے رہیں تو ہر ہر لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے، نظر سیر نہیں ہوتی، روح سرشاری میں رقص کرتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ عمر ان ہی سیڑھیوں پر اور اس ہی نظارے میں بسر ہو جائے۔

خیر ٹائم اسکوائر کی سیڑھیوں میں وہ جذب و شوق اور سرور و مستی تو نہیں ہے لیکن دنیا داروں کے لئے اک ہنگامہ اور ترنگ ضرور ہے۔ خاص طور پر نوجوان طبقے کی پسندیدہ جگہوں میں سے ہے۔

مادام تساؤ میوزیم

جب زینب نے بتایا کہ مادام تساؤ میوزیم میں بکنگ کرائی ہوئی ہے، تھوڑی دیر مجھے اپنی قوت سماعت میں خلل محسوس ہوا۔ ہم لندن میں تو نہیں، ہم تو نیویارک میں ہیں، میں نے حیرت سے کہا۔ جی ہاں یہاں نیویارک میں ہی آپ کو مادام تساؤ میوزیم دکھائیں گے۔

دراصل اپنی نصاب کی کتابوں میں اس میوزیم کے بارے میں پڑھ کر زمانہ طالب علمی سے ہی اسے دیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ میں تو یہی سوچتی تھی کہ اگر لندن گئی بھی تو صرف یہ میوزیم دیکھنے جاؤں گی۔ بہت ہی خوشگوار سی حیرت ہو رہی تھی جیسے میرا اتنا سفر بچ گیا اور مقصد خود میرے آگے آ گیا۔ مجسمے حقیقت سے اتنے قریب تھے کہ تھوڑی دیر تو انسان چکرا جاتا ہے کہ اس کے قریب کھڑا شخص حقیقی ہے یا مجسمہ ہے۔ لباس پر بہت توجہ تھی اور بالوں کے بارے میں تو لگتا تھا یہ کسی زندہ شخص کے زندگی سے بھرپور بال ہیں۔ چہرے کے جذبات، آنکھوں کی چمک، ہاتھوں سے ابھرتی رگیں۔ جیسے ہی ایک مجسمے سے دوسرے کی جانب لپکتے یوں محسوس ہوتا گویا ان سے تو پرانی شناسائی ہے۔ مادام کیوری، ہیلن کیلر، کبھی انہیں کتابوں میں پڑھا تو اب اپنی دوست لگ رہی تھیں۔ اوباما اور مشعل کے ساتھ تصویریں بنوائیں تو لیڈی ڈیانا، ریگن اور بُش کو بھی اپنا منتظر پایا کہ ایک تصویر ہمارے ساتھ بھی بنوالو۔ لہٰذا انہیں بھی یہ عزت بخش دی۔ امیتابھ بچن کا مجسمہ بھی وہاں موجود تھا اب ہمارا تجسس بڑھا کہ کہیں قائداعظم، محترمہ فاطمہ جناح یا بینظیر صاحبہ کو بھی یہ شرف دیا گیا ہو لیکن بہت مایوسی ہوئی یہ دیکھ کر کہ پاکستان کی نمائندہ کوئی بھی شخصیت اس میوزیم کا حصہ نہ تھی۔

ایک جگہ صورتحال بہت دلچسپ لگی۔ ایک مجسمے کے پاؤں پر ہماری نظر گئی۔ اس کا جوتا پرانا، پھٹا ہوا اور بوسیدہ تھا لیکن خوب پالش کر کے چمکایا ہوا تھا تاکہ پہننے والے کی شخصیت کا بھرم رہ جائے یہ ایک سترھویں صدی کی ادیبہ کا مجسمہ تھا۔ غربت اس کے پہننے اوڑھنے سے عیاں تھی لیکن شخصیت کا بھرم رکھنے کیلئے اس کا رکھ رکھاؤ خوب تھا۔ گویا ہر صدی میں لکھاریوں کا یہی حال رہا ہے! میرا یہ خیال ہے کہ اگر کسی معاشرے کی پستی یا بلندی کا اندازہ لگانا ہو تو اس معاشرے میں دو طبقات کی اہمیت کا اندازہ لگاؤ، ایک تو اساتذہ اور دوسرے ادیب۔ کیونکہ یہ دو طبقات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ معاشرہ ذہنی طور پر زندہ ہے۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں امریکی معاشرے کی ذہنی صحت کا

سرٹیفکیٹ مل گیا۔ میوزیم سے باہر نکلے تو ایک جگہ بہت سے لوگ قطار میں کھڑے تھے۔ میں نے اپنے داماد اویس سے پوچھا کہ یہ سب یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی رائٹر آیا ہوگا اور یہ سب اس سے آٹوگراف لینے کیلئے کھڑے ہیں۔ ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی کے باوجود اس معاشرے نے کتاب سے اپنا تعلق نہیں توڑا۔ آج بھی لوگ کتاب اتنے ہی شوق سے خریدتے اور پڑھتے ہیں اور رائٹر کی اتنی ہی قدردانی کی جاتی ہے جتنا کہ اس قلم اور دماغ استعمال کرنے والے کا حق ہے۔

برعکس اس کے پاکستان میں مجھ جیسے لوگ احمق شمار ہوتے ہیں جو پہلے عرق ریزی کر کے کتاب لکھتے ہیں، پھر اپنا مال لگا کر چھپواتے ہیں اور پھر دوست احباب کو تحفتاً دے کر ان کی منتیں کرتے ہیں کہ پلیز اسے پڑھ لو۔ ہمارے معاشرے کی تنزلی کا ایک اہم سبب کتاب سے وَیر (دشمنی) بھی ہے۔ لوگ کتاب خریدنے پر ایک سوٹ بنانے یا ایک برگر کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاید آپ کے ذہن میں بھی یہ سوال آیا ہو کہ مادام تساؤ میوزیم کو یہ موم مجسمے بنانے کا خیال کیسے آیا؟ مجھے لمبی چوڑی تاریخی تحقیق سے دلچسپی نہیں ہوتی اس کے لئے گوگل کافی ہے۔ لیکن یہ بات مجھے بہت دلچسپ لگی کہ مادام تساؤ میوزیم کی والدہ جس گھر میں ملازمت کرتی تھی اس کا مالک یہ شوق رکھتا تھا۔ مادام تساؤ جس کا نام اس وقت میری تھا وہ خاموشی سے اپنے مالک کو کام کرتے ہوئے دیکھتی رہتیں اور پھر جب انہوں نے خود مجسمے بنانے شروع کئے تو اپنے مالک کو بھی پیچھے چھوڑ گئیں۔ 89 برس کی عمر میں جب اس خاتون نے وفات پائی تو وہ اتنی شہرت حاصل کر چکی تھیں کہ مادام تساؤ ویکس میوزیم لندن سے نکل کر نیویارک، لاس ویگاس، برلن اور شنگھائی تک پہنچ گئے۔

واپسی پر ایک مقام پر گاڑی روک کر ہمیں Twin Tower کے ملبے پر مرثیہ پڑھنے کی بھی دعوت دی گئی۔ 9/11 کا سانحہ امریکیوں کو کیا یاد رہے گا کہ وہ تو اس مقام پر Freedom Tower کے نام سے ایک اوٹ پٹانگ سی بلڈنگ اور کھڑی کر لیں گے۔ یاد تو پاکستان اور افغانستان کو رہے گا کہ اس کے بعد ان کا کیا حال ہوا اور اسامہ بن لادن کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے کس طرح ان ملکوں کو اُدھیڑ کر رکھ دیا گیا۔

اب رات کافی ہو چکی تھی اور ابھی ہمیں حلال کھانا کھانے کے لئے بڑی دور تک جانا تھا۔ یہاں جہاد کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ حلال فوڈ کی تلاش میں لمبی لمبی مسافت طے کی جاتی ہے۔ بہرحال ایک حلال فوڈ ریسٹورنٹ پر باقی سب گھر والوں کو بھی بلا لیا گیا۔ نیویارک سے واپسی پر اویس نے ہمیں پک کر لیا، بات فرسٹ اپریل سے شروع ہوئی تھی اور اب فرسٹ اپریل کے چند گھنٹے ہی باقی تھے۔ لہٰذا سب نے مل کر کھانا کھایا اور ارشد صاحب کی درازیِ عمر کیلئے دعا کی۔ اب ارشد صاحب پھولے نہ سما رہے تھے کہ دیکھ لو میری سالگرہ امریکہ میں منائی جا رہی ہے۔ مجھے اپنی دوست نیلوفر کی بات یاد آ رہی تھی جو کبھی کبھی وجدانی کیفیت میں کوئی اونچی بات کر جاتی ہے۔ وہ کہا کرتی ہے کہ میں جتنا بھی غور کروں مجھے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کائنات میں ہر تبدیلی کا فائدہ مرد کو ہی پہنچتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ امریکہ آنے کے لئے جتنے پاپڑ بیلے گئے اس کی وجہ صرف ارشد صاحب کی سالگرہ امریکہ میں منانا تھا!

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

آگہی

''امی! امی!'' سائکہ نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ ماں کو پکارا۔ ''ماموں جان کا فون ہے انڈیا سے۔

''اچھا اچھا جی بھائی جان السلام علیکم! ''بہت مبارک ہو، اچھا کوشش کریں گے۔'' مختصر بات چیت کے بعد فون بند ہوگیا۔

علی گڑھ میں ماموں جان جو یونیورسٹی کے ایک اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ دو بیٹوں کی شادی کر رہے تھے۔ بہن کو بہت پہلے سے دعوت اس لئے دی کہ ویزے پاسپورٹ کے حصول میں وقت لگتا ہے۔

''امی میں تو شادی میں ضرور جاؤں گی۔''

سائکہ کالج کی ہونہار طالبہ تھی۔ ذہن میں انڈیا کا جو خاکہ میڈیا نے بنایا تھا وہ اس خوبصورت خاکے میں رنگ بھرنا چاہتی تھی۔ سجے سجائے پر آسائش گھر، زیورات اور میک اپ سے لدی عورتیں.....

کافی دوڑ بھاگ کے بعد پاسپورٹ اور ویزے کا حصول ممکن ہوا۔ آج کسٹم پر کھڑی وہ حیران پریشان امی سے کسٹم آفیسر کی بدتمیزی دیکھ رہی تھی۔ جو تحفے تحائف کو ممنوعہ سامان کی فہرست میں شامل کر رہا تھا۔ شادی کارڈ دکھا کر بڑی مشکل سے یقین دلایا کہ ہمارا مقصد کاروبار کرنا نہیں بلکہ صرف رشتہ داروں سے ملاقات اور شادی میں شرکت ہے۔ کسٹم آفیسر کی نظروں میں نفرت واضح تھی جو سائکہ کے لئے باعثِ حیرت تھی۔ کسٹم سے فارغ ہوئے تو ماموں جان اپنے بیٹوں کے ساتھ انہیں لینے آئے ہوئے تھے لہٰذا منزل مقصود کی طرف سفر شروع ہوا۔ گھر تک پہنچتے ہوئے راستے میں عام آدمی کی حالتِ زار، سائیکل رکشہ چلاتے مدقوق، لاغر، انسانی ڈھانچے غربت کی داستان سنا گئے۔ جسم پر فقط ایک ناکافی لنگوٹی باندھے جسم و جان کی ڈور کے ساتھ رکشہ سنبھالتا وجود اسے حیرت زدہ کر گیا۔ کیا یہ ہے زندگی اس انڈیا کے عوام کی جو میڈیا پر 100 کروڑ کی بات کرتا ہے؟

شادی کے گھر میں آج مایوں کا دن تھا۔ سائکہ نے گھر والوں کی تیاریاں دیکھیں خوش رنگ مگر معمولی کپڑوں پر بیلیں لگا کر کام چلایا گیا تھا۔ سائکہ کو پاکستان کی شادیاں یاد آئیں قیمتی ملبوسات کا کپڑا ہی ہزاروں کا ہوتا۔ پھر ان پر خوبصورت مہنگے کام، کڑھائی، مزید ہزاروں کا خرچہ ساتھ میچنگ جیولری، سینڈل اور آخر میں مزید ہزاروں کا میک اپ۔

ممانی اور خالہ جان مٹر چھیل رہی تھیں۔ سائکہ بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ ذہن میں کلبلاتا سوال آخر لبوں پر آ ہی گیا۔ ماموں جان علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔ ''گھر کی شادی ہے پھر بھی آپ لوگوں نے شگفتہ باجی اور شمیمہ کے لئے اتنے سادہ سوٹ بنوائے ہیں۔'' سائکہ نے بیک وقت ممانی اور خالہ جان سے سوال کیا۔

''سادگی اچھی چیز ہے بیٹا اللہ کو پسند ہے۔ فضول خرچ کو تو شیطان کا بھائی کہا گیا۔'' اور وہ لاجواب ہوگئی۔

شادی کی ہر تقریب سادگی اور وقار کی منہ بولتی تصویر تھی۔ ریاکاری، دکھاوے نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ حتیٰ کہ دولہا دلہن کے عروسی جوڑے بھی بس اسے یونہی سے لگے جبکہ پاکستان میں اب لاکھوں تک بات پہنچ جاتی ہے، بعد میں قرض دیر تک بارِ گراں بن کر گھر والوں کیلئے پریشانی کا باعث بنتا ہے سائکہ کو ان لوگوں کی سمجھداری پر رشک آیا اور اپنے لوگوں کی ناسمجھی پر افسوس بھی ہوا۔

شادی سے فارغ ہو کر یونیورسٹی گھومنے کا پروگرام بنا۔ شگفتہ باجی اسے یونیورسٹی کا ہر شعبہ دکھا رہی تھیں۔ سادہ کپڑوں یا جینز میں سائیکل یا اسکوٹی پر سوار آتے جاتے طلبا کو دیکھ کر وہ حیران تھی۔ یہ کیسے جوان ہیں جو

اسٹائل اور فیشن سے بے نیاز بس پڑھنے میں مگن ہیں۔

ایسے میں سائحہ کو اپنے ملک کے نوجوان طلبہ یاد آئے جو پڑھائی سے زیادہ فیشن اور اسٹائل کی فکر میں اپنا وقت اور پیسے برباد کر رہے ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں دکھایا جانے والا گلیمر اسے دور دور تک نظر نہیں آیا۔

''ارے وہ تو بس خیالی دنیا کی باتیں ہیں حقیقت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔'' شگفتہ باجی نے بتایا۔

تاج محل دیکھا تو سائحہ سوچنے لگی، صابن کی ایک بڑی بالٹی اور بڑا اسفنج پاس ہوتا تو خوب رگڑ رگڑ کر اسے چمکا دیتی۔

''کیا سوچ رہی ہو۔'' شگفتہ باجی کے پوچھنے پر وہ خیالات سے باہر آئی۔''

''تاج محل جیسی خوبصورت عمارت کی کیا کبھی صفائی نہیں ہوتی؟'' اس نے پوچھا۔

''دراصل آس پاس بنے کارخانوں کے دھوئیں نے اس کی خوبصورتی کو گہن لگایا ہے۔ حکومت مغلیہ دور کی یادگار تاج محل، شاہی قلعہ، محلات کی حالت زار سے دلچسپی نہیں رکھتی ہماری حکومت کے نزدیک ٹیکنالوجی کا حصول، صنعتی ترقی اور دفاع کو نا قابلِ تسخیر بنانا زیادہ اہم ہے۔''

سائحہ نے کہا: ''یہ تو میں ہر جگہ دیکھ رہی ہوں۔ گاڑی سے لے کر فرج، ٹی وی اور استعمال کی ہر چیز ''میڈ ان انڈیا'' ہی ہے باہر کی بنی ہوئی چیز شاید ہی ملے گی۔''

''باہر سے صرف زرمبادلہ ہی آتا ہے سامان پر ٹیکس اتنا زیادہ ہے کہ آدمی اپنے ہی ملک کی بنی چیز پر گزارہ کر لیتا ہے۔'' شگفتہ باجی نے بتایا۔

بے جا اسراف اور فضول خرچی نام کی کوئی چیز سائحہ کو اپنے قیام کے دوران انڈیا میں نظر نہ آئی۔ ہر شخص نہ صرف پیسہ بلکہ توانائی، بجلی گیس کے استعمال میں بھی بچت اور کفایت شعاری پر عمل پیرا ہے۔ کھانا پکانے میں کوکر کا استعمال، چاہے دال چاول ہی کیوں نہ پکانا ہو۔ دس منٹ میں کھانا تیار۔ چولھے پر برتن چڑھا کر تمام مصالحہ جات وغیرہ ڈال کر آخر میں چولھا جلایا جاتا اور پھر فوراً بند بھی کر دیا جاتا۔ فالتو لائٹ پنکھا چلتے کہیں نظر نہ آیا اے سی کا استعمال تو برائے نام ہی تھا۔ گھروں میں سجاوٹ اور آرائش و آسائش کی اشیا بھی کم کم تھیں۔ سادہ فرنیچر، سادہ پردے، سادہ رہن سہن اور زندگی آسان جبکہ سائحہ سوچ رہی تھی اپنے ہاں اسٹیٹس کی دوڑ نے متوسط طبقے کو کتنا پریشان کر رکھا ہے۔ قیمتی صوفے، قالین، فانوس ہر ڈرائنگ روم کا لازمی حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ وہاں دوڑ تھی تو صرف جدید ٹیکنالوجی کے حصول کی، علم و ہنر میں اضافے کی، کم خرچ میں زیادہ فائدے کے حصول کی۔ اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی، ہر بچہ، بوڑھا جوان اسی دوڑ میں لگا ہوا دیکھا۔

سائحہ موازنہ کرتے ہوئے سوچتی کہ ہم پاکستانی اور مسلمان ہو کر ایک سست، کاہل، کام چور اور بددیانت قوم بنتے جا رہے ہیں۔

اوپر سے نیچے تک ہر ایک اپنے ہی ملک کو لوٹ مار کے ذریعے کھوکھلا کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ذاتی مفاد کو ملکی مفاد پر ترجیح دے کر ہم نے اپنی ہی بنیادوں کو دیمک زدہ کر دیا ہے۔ یہ سوچ کر سائحہ شرم سے پانی پانی ہو گئی۔ ایسا کئی بار ہوا، کئی لوگوں نے کہا ''پاکستان سوئی تک تو بنا نہیں سکا وہ بھی چائنا سے منگواتا ہے۔''

''قرضوں پر تو یہ ملک چل رہا ہے۔'' مگر ایسا کب تک ہوگا۔''

کچھ لوگوں نے اس کے قیمتی لباس کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ ایسے میں سائحہ کو اپنے قیمتی لباس پر فخر کے بجائے شرمندگی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھیں پوری طرح کھل چکی تھیں اور وہ محسوس کر رہی تھی کہ انڈین پروگرام دیکھ کر بے حیائی، بے لباسی، ناچ گانوں کی دوڑ میں تو ہم اول ہیں، مگر اصل میں تو علم ٹیکنالوجی کا حصول، سادگی اور کفایت شعاری اپنانا ہر معاملے میں، ملکی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنے کی دوڑ ہونی چاہیے۔ تب ہی ہمارا پیارا ملک ''پاکستان'' دنیا میں سربلند و سرخرو ہو سکتا ہے۔

سائحہ نے دل ہی دل میں یہ آگہی اپنے لوگوں کو دینے کی ٹھانی جو انڈین پروگراموں کے سحر میں پوری طرح گم ہیں۔

☆.....☆.....☆

شمیم فاطمہ

صبح تمنا طلوع ہو

کہتے ہیں کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے..... آپ کی کوششِ بسیار کے باوجود وہ کام اس وقت تک پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اس کا وقت مقررہ نہ آجائے..... چنانچہ حریم ادب کی جانب سے ''صبح تمنا'' کی تقریب رونمائی تمام تر انتظامات اور کاوشوں کے باوجود 14 مئی کو منعقد نہ ہوسکی (شہر زخم زخم کے لہولہان ہو جانے کے باعث.....) چنانچہ وہ موخر شدہ تقریب سعید 20 مئی کو پریس کلب کے ابراہیم جلیس ہال میں منعقد ہوئی..... جہاں مہمانوں کے استقبال کیلئے ''صبح تمنا'' کی تخلیق کار غزالہ عزیز دروازے پر خود موجود تھیں۔

تقریب کے شرکاء میں قلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی خواتین شامل تھیں مثلاً عابدہ سلام، ڈاکٹر سلیس سلطانہ، محترمہ عقیلہ اظہر، ڈاکٹر عزیزہ انجم، افشاں مہر، نصرت یوسف، کاشفہ حسین، فریحہ مبارک، افشاں مراد، صبیحہ اقبال، ثمرین احمد، فرحی نعیم اور بہت سے.....

نظامت کے فرائض حمیرا خالد نے انجام دیئے۔ تقریب کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا پھر شرکائے بزم نے ''صبح تمنا'' کے بارے میں اظہار خیال کیا۔

سب سے پہلے محترمہ عابدہ سلام صاحبہ نے غزالہ کی شخصیت اور ان کی تحریر پر اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے اپنی پسند کے چند اقتباسات بھی پڑھ کر سنائے اور فرمایا کہ ان کہانیوں کو مائیں نصیحت کیلئے پڑھ سکتی ہیں اور لڑکیاں رہنمائی کیلئے۔ انہوں نے غزالہ کے اندازِ تحریر کو خوب سراہا اور ان کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

ڈاکٹر سلیس سلطانہ صاحبہ نے غزالہ کی شخصیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ ''میری غزالہ سے جب پہلی ملاقات ہوئی تو میں ان کی آواز کی عاشق ہوگئی.....!! اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف غزالی آنکھیں ہی جادوگر نہیں ہوتیں آواز بھی جادوگر ہوتی ہے۔ ندیم قاسمی کہتے ہیں۔

صرف اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں
میں تیرا حسن تیرے حسنِ بیاں تک دیکھوں

حسن تو خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے، آواز تو خدا کی عطا کردہ ہوتی ہے لیکن..... لہجے میں خلوص کی حلاوت اور سادہ دلی کی مٹھاس شامل ہو جائے تو جادوگری پیدا ہو جاتی ہے اور جادو تو سر چڑھ کر بولتا ہے..... اور اعتراف مائیک پر سرِ بزم کروا دیتا ہے.....

اس تقریب کا انعقاد چونکہ ''حریم ادب'' کی جانب سے کیا گیا تھا اس لئے حریم ادب کی چاق و چوبند روح رواں فرحت طاہر نے ''حریم ادب'' کی تاریخ اور اغراض و مقاصد پر بھی مختصراً روشنی ڈالی اور اس سے منسلک ہونے کی دعوت دی۔

غزالہ عزیز نے مائیک ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا کہ تعریف کا سننا بہت مشکل کام ہوتا ہے ہاں تنقید مجھے اچھی لگتی ہے اس سے اصلاح کا موقع ملتا ہے۔ میری پکی عادت ہوگئی تھی کہ میں عراق لکھتے ہوئے عین کے بعد ی لگا دیتی تھی (عیراق) مظفر ہاشمی ہر دفعہ کہتے کہ تم عراق کو عیراق کیوں لکھتی ہو! ان کے ٹوکتے ٹوکتے میں نے ہجے درست کیے.....

صبح تمنا کے بارے میں بات کرتے ہوئے غزالہ نے کہا کہ کہانیاں ہم اپنے اردگرد سے ہی تلاش کرتے ہیں..... میں نے بھی اپنے اردگرد سے ہی کہانیاں تلاش کی ہیں..... ابھی میری سسرال نے کتاب نہیں پڑھی ہے اندیشہ ہے کہ وہاں سے ضرور کوئی کہے گا کہ ''اچھا تم نے میری وہ بات پکڑ لی!''

محترمہ عقیلہ اظہر صاحبہ نے صبح تمنا پر مختصر اور جامع اظہار خیال کیا

اور آخر میں فرمایا کہ ''بس یہی کہوں گی کہ ام ایمان پر ہمارا ایمان اور غزالہ عزیز ہمیں بہت عزیز ہیں۔'' ان کے اس جملے سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔

نصرت یوسف نے جو بتول کی ہر دلعزیز افسانہ نگار ہیں صبح تمنا پر اپنی رائے محفوظ رکھتے ہوئے صرف یہ کہا کہ غزالہ عزیز بہت اچھا لکھتی ہیں لیکن آخر میں لگتا ہے درس دے رہی ہیں..... تحریر کو ادبی ہی رہنے دیں درس نہ بنایا کریں..... حمیرا نے اس بات کا جواب کچھ یوں دیا کہ بات تو سچ ہے مگر بات یہ ہے کہ ہم صبح و شام اس قدر درس سنتے اور دیتے ہیں کہ ہماری تحریروں میں لامحالہ درس در ہی آتا ہے۔

محترمہ عقیلہ اظہر نے فرمایا کہ کتابوں کی تقریب رونمائی میں تنقید کا پہلو بھی رکھا جاتا ہے وہ رسم بھی نصرت کی بات سے پوری ہوگئی..... یقیناً تنقید برائے اصلاح ہوتی ہے اور اصلاح تحریر میں مزید نکھار پیدا کرتی ہے اور اسی مقصد کیلئے حریمِ ادب کی جانب سے شہر میں ادبی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر عزیزہ انجم نے لکھاری لڑکیوں کے حوالے سے ایک خوبصورت نظم سنا کر سامعتوں کو تسکین فراہم کی اور صبح تمنا پر خوبصورت الفاظ میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

☆ان کے خیال میں جس طرح عمدہ چائے چسکی لے کر پی جاتی ہے۔اس کتاب کو بھی مزے لے کر پڑھنے کی ضرورت ہے۔زندگی کی کٹھنائیوں میں جکڑی خاتون کیلئے بہترین تحفہ ہے۔

اس تقریب کی مہمان خصوصی معروف صحافی محترمہ رضیہ فرید صاحبہ تھیں (جنگ کی نگران) انہوں نے ''صبح تمنا'' کی رونمائی اپنے دستِ مبارک سے کرتے ہوئے کہا کہ ادب کو نسائی اور غیر نسائی ادب میں تقسیم کرنا مجھے بالکل پسند نہیں..... میں نے صبح تمنا کی کہانیاں پڑھی ہیں مجھے اچھی لگی ہیں..... انہوں نے ایک کہانی سے اقتباس پڑھ کر بھی سنایا اور انداز تحریر کو سراہا۔ دورانِ تقریب فوٹو گرافرز متواتر اپنے فرائض انجام دیتے نظر آئے۔

اس تقریب میں محترمہ افشاں نوید کی کمی شدت سے محسوس ہوئی (جو اس وقت کسی اور تقریب میں شرکت کی وجہ سے نہ آسکی تھیں) ان کا لہجہ بھی شہد سے میٹھا اور بربط کی طرح سریلا ہے..... جب بولتی ہیں تو الفاظ تسبیح کے دانوں کی طرح ایک پر ایک گرتے چلے جاتے ہیں۔کانوں میں شہد ٹپکتا جاتا ہے اور دل کے ساغر میں بھرتا جاتا ہے۔

فرحی نعیم اور ان کی ساتھی ابراہیم جلیس ہال کی ایک جانب ''غلام بنے سردار'' اور ''صبح تمنا'' کے اسٹال سجائے بیٹھی تھیں۔فرحی نعیم نے بہت مختصر عرصے میں اپنی شناخت بنائی..... ان کی تحریر سادہ اور پراثر ہوتی ہے۔

تقریب رونمائی ہو اور لوگ منہ میٹھا کیے بغیر رخصت ہو جائیں یہ کیسے ہوسکتا ہے.....! پریس کلب کے باغیچے میں عصرانے کا انتظام موجود تھا جہاں تقریب کے شرکاء نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سموسے، بسکٹ، نمکو، چپس اور کیک سے حسب منشاء انصاف کیا۔

اس شہر خرابی میں جہاں ہر گلی، ہر چینل، ہر چوراہے، ہر بیٹھک میں ہر کوئی دہشت گردی اور دہشت گردوں کی باتیں کرتا اور وحشت زدہ ہوتا ہے وہاں اس قسم کی تقریب کا انعقاد اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ ابھی زندگی، ابھی روشنی کا وجود باقی ہے..... لکھنے والے انگلیاں فگار کر کے پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں..... کتابیں چھپتی رہیں..... لوگ پڑھتے رہیں..... چراغ جلتے رہیں..... روشنی ہوتی رہے..... کارواں چلتا رہے..... منزل قریب آتی رہے..... خون کے دھبے دھلتے رہیں..... اخوت کے شگوفے پھوٹتے رہیں..... خوشیاں دستک دیتی رہیں..... خواب پلتے رہیں..... مایوسی ڈھلتی رہے اور صبح تمنا طلوع ہوتی رہے.....!

☆.....☆.....☆

زبان پر قابو

جو کچھ بھلائی تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ (مزمل) بھلائی کی تعریف کا تو بچے کو بھی علم ہے ہاں بھلائی کی صورتیں کون کون سی ہیں وہ دو ہی ہیں۔ اللہ کے ساتھ تعلق، بندوں کے ساتھ تعلق پہلے تعلق کو عبادت کہتے ہیں اور دوسرے تعلق کو معاملات کہتے ہیں۔ پہلے تعلق میں اگر دانستہ کمی کوتاہی ہو بھی گئی تو اللہ کے ہاں چھوٹنا مشکل نہیں کہ اسے سجدوں رکوع مال خیرات لے کر کیا کرنا ہے وہ تو بس بندے کا 'دل' دیکھتا ہے۔ آپ خود ہی سوچئے ایک شخص مصیبت میں پھنسا انسان کو مدد طلب نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ دوسرا انسان مدد کی بجائے سوچے کہ نماز مکمل تو ادا کرلوں، تو اللہ کو کتنا محبوب ہوگا؟ اور بات یہ ہے کہ ولائت کی بھی شرطیں دو ہی ہیں اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت دونوں کو راضی رکھنا ہے۔ لیکن مخلوق کی خدمت یا دوسرے لفظوں میں معاملات بے حد مشکل ہیں اور معاملات میں بگاڑ کس سے پیدا ہوتا ہے اس کی بھی دو ہی وجوہات ہیں (میری ناقص عقل میں):

۱۔ نیت میں جب کھوٹ آجائے، مطلوب رضائے الٰہی نہ ہو، تعریفی کلمات، دوسروں کو نیچا دکھانا، گڈ بکس میں آنا ہو۔

۲۔ مطلوب تو رضائے الٰہی ہی ہو لیکن طریقہ کار نکما اور غیر معقول ہو۔

یاد رکھئے سب کچھ کر کرا کے زبان کی نوک سے بس چند فقرے ہی کہے جاتے ہیں لیکن یہ چند الفاظ وہی ہیں جو ساری زندگی کی ریاضتوں، عباتوں کو رد کرواسکتے ہیں۔ جہنم کی گہرائیوں میں پہنچا سکتے ہیں۔ اگر آپ سیرت محمدی ﷺ کو نظر میں رکھیں تو عبادت میں کمی بیشی (شرعی عذرات کے ساتھ جیسے جنگ خندق کے دوران نماز پڑھ سکنا) ہوئی ہے، لیکن معاملات کی کمی کوتاہی کہیں نظر نہیں آتی۔ پیدائش کی خوشی میں لونڈی آزاد کرنے والا سگا چچا بھی بدترین دشمن ثابت ہوتا ہے۔ پڑوسی عقبہ بن معیط بدبخت جیسا، محلّہ رسول ﷺ میں رہنے والا پھر اپنے پیاری صاحبزادیوں، بیویوں، سوتیلی اولاد، کہیں رتی بھر بھی زبان شدت جذبات میں یا غیض وغضب کے عالم میں پھسلتی دکھائی نہیں دیتی۔ املک علی لسانک بان پر قابو رکھو دو چوکیدار اور بتیس ہتھیار اسے روکے رکھنے کے لئے ہی تو دیئے ہیں پھر میرے فقروں سے دوسروں کا سینہ کیوں چھلنی ہو؟

اس پر قابو پانے کے لئے دکھ پھر سکھ، ذہن میں لے آئیں یا یہ تصور کرلیں کہ آپ کے عزیز واقارب میں سے کوئی شخص ابدی گھر روانہ ہو چکا۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں آپ کو تلخی والے جملے سے نوازا تھا۔ کیا آپ کو اس کی موت کے ساتھ وہ جملہ بھول گیا؟

نہیں؟ تو پھر میرے بعد میرے جملے کیسے فراموش کئے جا سکتے ہیں؟'' بس بات تو صرف اس ''بعد'' کی ہے جو کبھی یاد ہی نہیں آتی۔

بات سے بات نکلتی ہے اور سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے۔ ایک ہستی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی ایسی بھی ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کیلئے وہ الفاظ اپنے مبارک ہونٹوں سے ادا فرمائے جو کسی اور ہستی کیلئے نہیں ادا کئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فداک امی وابی یا سعد

(میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اے سعد)

فرط مسرت سے سعد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے کوئی نصیحت کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

اَمْلِک علٰی لسانک وابک علیٰ خطیئتک.

(اپنی زبان پر قابو رکھو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔)

حضرت سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے دعا کیجئے۔
آپ ﷺ نے فرمایا:

اللّٰھُمَّ سدِّد سَھْمَه واجب دعوته.

(اے اللہ اس کے تیر کو سیدھا رکھنا اور اس کی دعاؤں کو قبول کرنا۔)

روایات میں ہے کہ ان کا ساری زندگی تیر نشانے پر لگا اور وہ مستجاب الدعوات تھے۔لیکن تیر سیدھا رکھنے والا بھی زبان قابو میں رکھنے کا محتاج ہے! کچھ روایات میں تو حضرت سعدؓ کے بھی الفاظ ہیں: **فان لم..... فتباکو.**

(پس اگر نہ رونا آئے تو رونے والی شکل بنالو۔)

رونا تو خطاؤں کو یاد کر کے آتا ہے جب انسان خطاؤں کو خطا ہی نہ سمجھے تو کس پر روئے؟ جس طرح گناہ کیساتھ شراب، زنا، سود ہی نتھی ہیں، خطائیں بھی چند مخصوص عادات بد کو ہی سمجھا جاتا ہے۔

زبان پر قابو کا آسان نسخہ شہاب نامے میں موجود ہے۔وہ بات کسی کے متعلق کبھی نہ کہنا جو اس کے منہ پر نہ کر سکو۔

☆.....☆.....☆

کھجور

بیر، کیلا، انجیر، زیتون، انار اور دیگر فواکہات کا قرآن کریم میں تذکرہ پڑھ کر مومن کا دل مسرور ہوتا ہے لیکن کھجور کے پھل کا تصور شیرینی اور خوشبو کی ایک عجیب دنیا میں لے جاتا ہے۔ عربی زبان میں نخل سے مراد عموماً کھجور ہی ہوتا ہے۔ نخلستان کھجوروں کے باغ کو کہتے ہیں۔ لیکن صحرا میں وہ قطعہ ارضی جہاں پانی دستیاب ہو اور سبزہ بھی ہو اور کھجوروں کا جنگل اُگا ہو اسے نخلستان کہتے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ کوہِ طور پر جہاں حضرت موسیٰؑ کو انوار الٰہی دکھائی دیئے تھے ان کا ظہور بھی کھجور کے درخت سے ہوا تھا۔

ماضی کے جھروکے سے دیکھیں تو اہل عرب کی روایتی مہمان نوازی کی ابتدا کھجور اور عربی کافی کی ایک چھوٹی پیالی سے ہوتی آئی ہے ہلکی آنچ پر نیم پختہ لوبیا کے دانوں کی قلیل مقدار بھی اس تواضع میں شامل ہوتی ہے۔ صاحب حیثیت شیوخ کے ہاں کھجور کی مختلف انواع بھی زینتِ دسترخوان بنتی ہیں۔ ہر سیاح اور مہمان بھی کھجور کی طلب اور شوق سے دل کو معمور پاتا ہے۔ کافی کی تیاری میں ایسے موقع پر سبز الائچی کے دانے (یا پاؤڈر) ہلکی خوشبو اور منہ میں ٹھنڈک کا احساس پیدا کردیتے ہیں۔ ہر سعودی میزبان اور خلیج عرب کے خطے میں سبھی جگہ شرفا مہمان سے محبت اور آؤ بھگت میں کھجور کو عزت واحترام کا کنایہ بناتے ہیں۔

سرزمین مملکتِ سعودیہ کھجور کی پیداوار میں ایک ممتاز حیثیت کی حامل ہے۔ دنیا بھر میں اس کو دوسرا درجہ حاصل ہے۔ لیکن یہاں مدینہ طیبہ اس پھل کی پیداوار میں سب سے ممتاز ہے۔ خود سعودی حکومت نے کھجور کی پیداوار میں اپنے تجربے کی بنا پر اسے بہت ترقی دی ہے۔ اس مملکت میں کھجور کی اعلیٰ اور معیاری پیداوار حاصل ہوتی ہے جن میں سب سے ممتاز کھجور عجوہ ہے۔

''ترمذی میں حدیث نمبر ۲۰۶۸ بے شک عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے۔ (صحیح مسلم ۲۰۴۷)

''جو اپنے دن کی ابتدا عجوہ کی سات کھجوروں سے کرتا ہے وہ زہر اور سحر کے اثر سے دن بھر محفوظ رہے گا۔''

مدینہ طیبہ کے دہقان کی زراعت میں جانوروں کے چارے، برسیم اور سبزیوں کے علاوہ تربوز، انار اور انگور بھی ہیں لیکن ان کی سب سے زیادہ توجہ کھجور پر ہے جو صدیوں سے مدینہ منورہ کی اصل سوغات سمجھی جاتی ہے اور خاصی بڑی مقدار میں برآمد بھی کی جاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہد میمنت عہد میں مشہور خرمہ العجوہ، لون اور برنی ہوا کرتی تھیں اور آج کے دن تک کھجور عجوہ ہی مدینہ مبارک کا خاص تحفہ تصور ہوتی ہے۔ دوسری اقسام میں الجدی، حلوہ، شلابی، (بغیر گٹھلی کے جو سخل کے نام سے بھی جانی پہچانی جاتی ہے) مبردم، البیض، الرابعہ، البرنی، الصفوی، الروثانہ اور العنبر بہت مشہور ہیں۔ مدینہ طیبہ کی کھجور کی منڈی میں کم وبیش ۱۵۰ قسم کی کھجور بکتی ہے جن میں العنبر سب سے زیادہ مہنگی ہے۔ پورے سعودی عرب میں تقریباً ۳۰۰ اقسام صرف مدینہ طیبہ کے علاقے سے آتی ہیں۔ درحقیقت کھجور مدنی زندگی میں اقتصاد مدینہ کی ریڑھ کی ہڈی سمجھی جاتی رہی ہے اس کے بیخ و بن، اس کے تنے اور ڈالیاں تک استعمال میں لائی جاتی ہیں۔ ان پتوں سے بہت سی گھریلو چیزیں مثلاً چٹائیاں، دستی پنکھے، چھوٹے ڈبے، چھابے، چنگیریں تیار ہوتی ہیں۔

''کھجور کے تنے اور پتوں سے ایسی اشیاء ابتدا میں غلام بنایا کرتے تھے۔ مگر اب باہر کے ممالک سے افرادی قوت منگوائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ چونکہ پہلے یہود کے ہاں غلام رہ چکے تھے وہ ہاتھ کے پنکھے بنانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وہؓ آپؐ اور آپؐ کے اہل خانہ کے لیے کھجور کی پنکھیاں بنا کر لایا کرتے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں سے آقائے دوعالم سرور عالمؐ کو مسجد نبوی میں اپنے ہاتھ سے پنکھا جھولا کرتے تھے۔'' بحوالہ: جستجوئے مدینہ، تالیف عبدالحمید قادری ص ۱۰۹۔ لاہور اورینٹل پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور، ۲۰۰۷ء

سعودی مملکت میں کھجور کے پھل دینے والے درختوں کی تعداد دو کروڑ تیس لاکھ شمار کی گئی ہے۔ اتنی تعداد میں یہ درخت دنیا کے کسی بھی ملک کے اشجار تمر سے زیادہ ہیں۔ یوں اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہاں دنیا بھر کی کھجور کی پیداوار کا بیس فیصد فراہم ہوتا ہے۔ بریدہ ریجن مملکت

سعودیہ کے درمیان میں ہے۔ بریدہ خلیج عرب اور بحیرہ احمر کے درمیان یکساں فاصلے پر ہے۔ بریدہ کا جڑواں شہر میزہ بھی اپنی زرعی پیداوار کے لیے بریدہ ہی کی طرح اہم ہے۔انتظامی طور پر بریدہ قیصم ریجن کا انتظامی مرکز ہے۔موسم کے مطابق جب کھجور کا پھل تیار ہوتا ہے تو یہاں ۷۵ روزہ میلہ لگتا ہے جہاں سب سے زیادہ خریداری کھجور ہی کی ہوتی ہے۔ یہاں پڑوسی ممالک سے بھی خریدار آتے ہیں۔کوئی دو لاکھ ٹن کھجور یہاں بکنے آتی ہے۔ جو تقریباً ڈھائی ارب سعودی ریال کی ہوتی ہے۔

دین پسند طبائع تو عقیدت سے کھجور کی طرف راغب ہوتی ہی ہیں۔اس پھل کے طبی اوصاف وفوائد بھی بہت ہیں۔ ہمارے ملک میں طبیب مشرق مولانا حافظ حکیم محمد عبداللہ صاحبؒ جہانیاں والے تو اس پھل پر مستقل کتابچہ لکھ چکے ہیں۔اس پھل میں رزاقِ حقیقی نے تغذیہ (Nutrition) کی بھرپور خصوصیات رکھ دی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی غذائی خوبیوں کا حامل پھل ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ زمین کے قابل کاشت رقبہ کا تین فیصد حصہ کھجور کے سایہ میں ہے۔

مملکت سعودیہ کے شہر ہوں یا دیہات۔وہاں گلیوں، بازاروں اور گھروں کے اندر بھی کھجور کے درخت کثرت سے اُگانے کا رُجحان غالب دکھائی دیتا ہے۔نہایت اعلیٰ عمارتیں اس وقت تک اپنے منظر کے حسن کی گہن آلود مثال کی جاتی ہیں جب تک ان میں کھجور کے درخت لہلہاتے دکھائی نہ دیں۔ان مکانات میں قطعات اراضی کی وسعتوں کی تمام جمالیات پر کھجوروں کے درختوں کا غلبہ دکھائی دیتا ہے۔سعودی شہروں کے کوچے اور بازار بالعموم چوڑے ہوتے ہیں۔لوگ اپنے گھروں کے باہر بھی کھجور کے پودے لگاتے ہیں۔جن کی مناسب دیکھ بھال ہوتی اور وہ خوب بڑھتے اور پھلتے ہیں۔ان درختوں کی قطاریں گلی کوچوں کے علاوہ بازاروں، شاہراہوں پر بھی آنے جانے والوں سے حسنِ نظر کا خراج حاصل کرتے ہیں۔آدمی کا دل اس صناعِ فطرت سے وقفِ حمد کردگار ہو جاتا ہے۔

کھجور کے درخت کی تکریم کا لحاظ کرتے ہوئے سعودی حکمرانوں نے اپنے قومی جھنڈے پر بھی اس نخلِ حسین کا نقش جمایا ہے۔اس پھل کے فوائد کے بیان سے دل نہیں بھرتا۔ یہ جزوِ غذا ہو تو انسانی بدن کی حرارت عزیزی کے استحکام و دوام سے جسم کی تمام قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ اس طرح ہر عضو اپنے قدرتی افعال کی انجام دہی میں کوتاہی کے عارضے سے محفوظ رہتا ہے۔سعودی ریاست کے متعدد تحقیقی اداروں نے کھجور کے جسمِ انسانی میں کردار کو واضح کیا ہے۔ اور بعض نے اس کے تہذیبی انعکاسات کو بھی موضوع تحقیق بنایا ہے۔اس کی عمومی خصوصیات کے ساتھ تاریخی پس منظر اس کی کاشت اور پرورش کے لیے رہنمائی، پیداوار میں اضافے کے لیے مشورے اور اس کے گوناگوں استعمالات کو بھی قلم بند کیا ہے۔ایک حالیہ تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ مدینہ شریف کی عجوہ کھجور اتنے موثر عناصر سے لبریز ہے جو کینسر اور اس کے حوالی امراض کے لیے شافی ثابت ہوئی ہے۔شاہِ سعود یونیورسٹی ریاض میں تحقیق کار دانش وروں نے عجوہ کھجور کے صحت بخش افعال کی نوعیت پر قابلِ قدر کام کیا ہے۔ یہ کھجور کھانے والوں کے جسمانی اعضا میں سوجن پیدا ہونے کے خدشات کا امکان نہیں رہتا۔ اس طرح اسپرین اور آئبیو پرونین ایسی زندگی کی محافظ ادویات کے فوائد عجوہ خوروں کو قدرت عطا فرماتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اگر ایک طرف حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبع نفیس کے لیے اس کا مرغوب ہونا۔غلامان نبی آخرالزماں کے لیے چاہت سے کھائی جانے والی نعمت ہے تو قدرت حق مزید انعام کے طور پر لوگوں کو صحت و توانائی بھی مہیا کرتی ہے۔اس سبب سے تو حج وعمرہ کے لیے حرمین الشریفین کے زائرین واپس جاتے ہوئے عجوہ کے اسٹالز پر ہجوم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔پچھلے سال ۲۰۱۳ کے آخر تک معیاری پیکنگ میں عجوہ کا ایک کلو ایک سو بیس ریال تک بکتا رہا ہے۔مملکت سعودیہ میں عجوہ کھجور کی دستیابی کے بڑے مراکز مکۃ المکرّمہ۔ مدینہ منورہ۔ ہوائی اڈے۔ساحل پر بنی استراحت گاہیں (Recreational Resorts) ہوٹلوں میں بنی مارکیٹوں میں بھی عجوہ مل جاتی ہے۔خوگر حمد مملکت سعودیہ کبھی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہاں منافع خوری پر کوئی اخلاقی پابندی نہیں۔ میں تو ایک بال پوائنٹ جو یہاں ۸۰ روپے میں خریدتا ہوں وہاں چار پانچ ریال میں خریدنے پر مجبور ہوتا ہوں۔ جب کہ والی مملکت سعودیہ شاہ عبداللہ نے درآمدات پر اس لیے ٹیکس نہیں لگائے تاکہ عام شہری کو دنیا بھر سے سستی اشیائے صرف ملتی رہیں اس لیے کھجوروں کی فروخت پر کسی مارکیٹ کمیٹی کا متصرفانہ عمل دخل دکھائی دینا چاہیے۔

تاجران کھجور اب جدید نفسیاتی طریقے جان گئے ہیں۔ وہ انہیں

مختلف قسم کے خوبصورت ڈبوں میں فنی تقاضوں کوملحوظ رکھ کر پیلنگ کرتے ہیں۔ کھجوروں کے جاذب نظر پیکٹ،مختلف اوزان میں چاہت بھرے دلوں کی تمنا اورطلب کے خیال سے پیش کرتے ہیں۔عموماً سعودی عرب میں ۳۵ قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں۔ان درختوں میں عجوہ کھجور کے پورے سب سے زیادہ لگائے اور پالے جاتے ہیں۔مملکت سعودیہ کے باشندے کھجور خوری کی عادت میں (Addition) بڑے شوق سے مبتلا ہیں ان کے دستر خوان پر ہر طعام کے ساتھ کھجور کا ہونا ایک لازمی جزو ہوتا ہے۔انہیں اس پھل کےفوائد کا خوب ادراک ہے۔کھجور میں پانی برائے نام ہوتا ہے۔سوکھ جانے پربھی اس کے وزن اورخصوصیات میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔تاہم خشک کھجور میں وٹامن سی کچھ کم ہو جاتے ہیں۔ پانچ سات کھجوریں کھانے سے بیس کیلوریز حاصل ہوتی ہیں۔اس میں نشاستہ، ریشہ دار اجزا، پوٹاشیم، کیلشیم،فولاد کے ساتھ دیگر معدنی اور حیاتین بھی پائے جاتے ہیں جوانسانی جسم کی نشوونما اورقوتِ مدافعت بڑھانے میں جادو اثر ثابت ہوئے ہیں۔ تازہ کھجور میں نرم، زودہضم،فروٹ شوگر اور گلوکوز ایسے خواص ہوتے ہیں۔ اس سے بدن کی صرف شدہ توانائی میں فوری بحالی ہوتی ہے۔اس وجہ سے افطار کے وقت کھجور قدیم زمانوں سے کھائی جارہی ہے۔ کھجور کی ریشہ دار خوبیاں قبض کشا ہوتی ہیں۔ یہ شامل خوراک ہوکر آنتوں میں جمع ہو جانے والے فضلات کوزیادہ دیر تک ٹھہرنے نہیں دیتے۔اگر قبض رفع نہ ہوتو کینسر کی پیدائش کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔اس پھل کے نامیاتی اجزاجسم کےمختلف حصوں کونقصان دہ جراثیموں سے حفاظتی قلعہ دیتے ہیں۔

کھجور وٹامن اے کا بھرپورخزانہ ہے۔ یہ بدن میں عمل تکسید کوروکتی ہے۔جلد کے نیچے پتلے حصوں میں چھپے مادہ کوصحت بخش رُخ دینے میں کھجور کا کردار طبیبوں کومطمئن رکھتا ہے۔ یہ ایسی خوراک ہے جونظر کی کمزوری کو قریب نہیں آنے دیتی۔ بدن کے خوردبینی اجزا کو اپنے مفید افعال انجام دینے اوران کی حفاظت کا ذریعہ بھی خالق کائنات نے کھجور کو بنادیا ہے۔ بلکہ اب توتحقیق سے مزید ثابت ہوا کہ کھجور منہ، گلے اور پھیپھڑوں کے کینسر سے بھی محفوظ رکھتی ہے بلکہ بدن سے مفونت اور گلنے سڑنے کا عمل بھی ختم کرنے میں کھجور ایک بڑی نعمت سے کم نہیں۔لبلبہ سے حاصل ہونے والے خوراک کے ہاضم مادے کھجور کی تحریک کا حاصل ہوتے ہیں۔خون صالح اور سرخ خلیات کی پیدائش اسی جنتی میوہ کا ایک اور فائدہ ہے۔اس میں موجودفولادکمی خون کا ازالہ کرتا ہے۔اس سے خون کے ذروں تک آکسیجن کا سفر بہ سہولت ہونے لگتا ہے۔ یہ ایسی خوراک ہے جوافشارِخون اور دل کی دھڑکن کومعتدل رکھتی ہے۔ کھجور میں موجود پوٹاشیم جسم کے خلیات اور سفید رطوبتوں کیلئے قدرت کا عطیہ ہے۔یہی عنصر بدن میں پیدا ہوکر دل کے دورے کے لیے بھی ڈھال بن جاتا ہے۔کھجور کھانے سے حیاتین بی اور کے (K) انجمادِخون روک دیتے ہیں۔ یہ خواص خطہ عرب کی آب و ہوا میں پلنے والی کھجور میں سب سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔

میوہ کھجورنشوونما کے دوران اس پرکئی احوال دیکھے جاسکتے ہیں۔ پہلی بار کھجور پیدا ہوتے ہی سخت ہوتی ہے۔اس کا رنگ زرد ہوتا ہے۔ اسے ’’خلل‘‘ کہتے ہیں چند دن بعد یہی پھل سے زرد اور ہلکے سیاہ رنگ کا ہوجاتا ہے۔ یہ ’’مناصف‘‘ کہلاتا ہے۔مزید ہفتے عشرے کے بعد کھجور کا دانہ مکمل طور پر پک کر سیاہ ہوجاتا ہے۔اس کا نام ’’تمر‘‘ ہوجاتا ہے۔ان حالتوں میں ذائقہ الگ الگ ہوتا ہے۔کھجور کے پھل پر احوال ایک مہینے میں مکمل ہوجاتے ہیں۔

ماہ رمضان شریف میں سعودی مملکت میں کھجور کے اسٹورز پر ہجوم ہو جاتا ہے۔ ہرشخص افطار میں کھجور ضرور استعمال کرنا چاہتا ہے۔یہی پھل اس کی پہلی ترجیح ہوتا ہے۔کھجور کے رسیلے اورنرم و نازک پھل کی محفوظ پیکنگ اسی کے پتوں کی ہلکی ٹوکریوں میں کی جاتی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ اہل عرب کے متمول نوخیز نوجوان اب کھجور کے ’’عاشق‘‘ دکھائی نہیں دیتے۔لیکن رمضان المبارک میں وہ بھی ہمارے ساتھ افطار کھجور ہی سے کرتے ہیں۔ چندگھونٹ پانی پی کروہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے روزہ سنت کے مطابق افطار کیا ہے۔ان کے بدن میں تازگی اورتوانائی کھجور کھانے سے درآتی ہےاوروہ نماز کی طوالت میں دلی آمادگی کے ساتھ شریک ہونے کے لیے مستعد ہو جاتے ہیں۔ **فالحمدلله علیٰ ذالِکَ**

جزوی استفادہ:سعودی عرب ایئرلائن کا ماہوار مجلّہ:اہلاً وسہلاً بابت نومبر۲۰۱۳ء)

☆......☆......☆

بتول میگزین

آخری عشرہ اور عید الفطر

بنتِ حوا

ویسے تو رمضان کا پورا مہینہ ہی بڑی اہمیت کا ہے لیکن سنت سے ہمیں اس کے آخری عشرے کی عبادات کی خاص فضیلت ملتی ہے آپؐ اپنے اہل وعیال کو اس عشرے میں خصوصی عبادت کی تاکید کرتے تھے۔ آپؐ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کا دروازہ کھٹکھٹاتے اور فرماتے اَلَا تَقُوْمَانِ فَتُصَلِّیَانِ'' کیا تم دونوں اٹھو گے نہیں کہ نماز پڑھتے۔'' (معجم الا عرابی:۲۳۳۲) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں'' جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو رسول اللہﷺ (عبادت کے لیئے) کمر بستہ ہو جاتے، راتوں کو جاگتے اور اپنے اہلِ خانہ کو بھی جگاتے'' (بخاری:۲۰۲۴)۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا'' آپؐ عام دنوں کی نسبت آخری عشرے میں خوب محنت اور کوشش کرتے'' (مسلم)۔

اسی عشرے کو اعتکاف کا عشرہ بھی کہا جاتا ہے یعنی اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیئے مسجد میں دنیاوی کاموں، نفسانی خواہشات اور گھر والوں سے الگ ہو کر صرف عبادت کی غرض سے آخری دس دن گزارنا۔ آپؐ رمضان کی ۲۰ تاریخ کو فجر کی نماز کے بعد مسجد میں اعتکاف پر بیٹھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ'' آپؐ ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے لیکن وفات کے سال آپؐ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا'' (بخاری:۲۰۴۴)۔ اعتکاف کے لیئے روزہ رکھنا ضروری ہے۔ عورتیں بھی اعتکاف کر سکتی ہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے'' آپؐ آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے یہاں تک کہ آپؐ نے وفات پائی تو آپؐ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا'' (مسلم:۲۷۸۴)۔ اگر ممکن ہو تو ضرور اعتکاف کیا جائے لیکن اگر خود نہ کر سکے تو اپنے گھر میں موجود دوسرے لوگوں کو اس میں مدد دیں۔

کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ نوافل، تلاوتِ قرآن، ذکر اذکار اور قرآن پر غور وفکر میں وقت گذارا جائے۔ اس کے علاوہ خود کو بیکار کاموں، فالتو گفتگو، غیر ضروری میل ملاپ سے گریز کریں۔

شبِ قدر: آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہی ایک رات شبِ قدر ہے جو طلوع فجر تک سراسر سلامتی ہے۔ اس رات ہی میں قرآن مجید نازل ہوا اور اس کی فضیلت میں ایک پوری سورت (سورۃ القدر) اتری۔ اس رات میں جبرائیلؑ اور کثیر تعداد میں فرشتے اللہ کی رحمت اور برکت کے ساتھ اترتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' بلاشبہ اس رات کو زمین میں فرشتوں کی تعداد کنکریوں کی تعداد سے بھی زیادہ ہوتی ہے'' (مسند احمد) اس ماہ میں کی گئی عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا'' یہ مہینہ جو تم پر آیا ہے اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ جو اس سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا، اس رات کی سعادت سے صرف بدنصیب ہی کو محروم کیا جاتا ہے (ابنِ ماجہ:۱۶۴۴) شبِ قدر کی راتوں میں قیام کرنا گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے لہٰذا ان راتوں میں خوب محنت کرنی چاہیئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا'' جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں کا قیام کرتا ہے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں'' (بخاری:۲۰۱۴)۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اس رات کو پانے کی خصوصی کوشش اور تمنا کریں، نوافل، تلاوتِ قرآن، نماز تسبیح، ذکر اذکار اور دعاؤں کا خوب اہتمام کریں۔ آپؐ کی حضرت عائشہؓ کو بتائی گئی دعا'' اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، کرم فرمانے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف کر دے'' (الترمذی:۳۵۱۳) کو خوب مانگیں۔ اس کے ساتھ اپنے بچوں اور گھر والوں کو بھی ان راتوں میں عبادات

کا شوق دلائیں۔

الوداع رمضان: جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ رمضان ایک معزز مہمان کی طرح ہمارے گھروں میں داخل ہوتا ہے اور چند دن جنہیں قرآن ایّامًا معدودات کہتا ہے گزار کر چلا جاتا ہے لہذا اس مہینے کو الوداع کہتے ہوئے ضرور اپنا محاسبہ کریں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرحت ھاشمی اپنی کتاب ''شَھرُ رَمَضَان'' میں رمضان کے اختتام پر اپنا جائزہ لینے کا مشورہ دیتی ہیں کہ ''کیا رمضان ہمارے اندر تبدیلی لانے کا ذریعہ بنا؟ کیا روزے کے مقصد ''تقویٰ'' کو پانے میں کامیابی حاصل ہوئی؟'' اس کے علاوہ یہ کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کیا کمی کوتاہی ہوگئی تا کہ ان پر کام کیا جاسکے۔

(صفحہ ۴۰) لہذا اس ماہ کو بھرپور طریقے سے گزارنے کے لئے اپنی بھرپور تیاری رکھیں۔

عید الفطر: شوال کی پہلی تاریخ کو عید ہوتی ہے جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیئے مسرت کا دن ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لیئے ایک انعام ہے۔ اس کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اس دن غسل کرنا، خوشبو لگانا اور صاف ستھرا لباس پہننا مستحب ہے۔ امام ابنِ قیم زادالمعاد میں بیان کرتے ہیں کہ آپؐ عیدین کے موقع پر اپنا سب سے بہترین لباس پہنتے تھے۔ بقول امام زہری عید الفطر کے دن آپؐ تکبیرات کہتے ہوئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوتے اور نماز ادا کرنے کے بعد تکبیرات کہنا بند کر دیتے۔

فطرانہ: عید کے دن نمازِ عید سے پہلے صدقہِ فطر ادا کرنا گھر کے سربراہ کے ذمے ہے۔ اسے عید سے ایک یا دو دن پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ حضرت ابنِ عباسؓ کے مطابق ''رسول اللہؐ نے صدقہ فطر، روزہ دار کو لغو اور بے ہودہ باتوں سے پاک کرنے اور مساکین کے کھانے کے لئے مقرر کیا، جو شخص اس کو عید کی نماز سے پہلے ادا کرے تو وہ مقبول صدقہ ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے تو عام صدقہ شمار ہوگا'' (ابوداؤد)۔

نماز سے قبل میٹھا کھانا سنت ہے۔ آپؐ کھجوریں تناول کئے بغیر گھر سے نہ نکلتے۔ عید کی نماز ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ طلوع آفتاب کے بعد اذان اور اقامت کے بغیر پڑھی جاتی ہے۔ نمازِ عید کی ادائیگی کے لئے عورتوں کو بھی عیدگاہ جانا چاہئے (بخاری)۔ نماز کے بعد خطبہ دیا جاتا ہے جسے خاموشی سے سننا لازم ہے۔ عیدگاہ سے واپسی پر راستہ تبدیل کرنا بھی سنت سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ باہم ملاقات کرنا اور خوشی منانا بھی ضروری ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ'' حبشی عید کے دن نیزوں سے مسجد میں کھیل دکھا رہے تھے تو رسول اللہؐ نے مجھے بلایا اور میں نے آپؐ کے شانے پر سر رکھا اور ان کا کھیل دیکھنے لگی یہاں تک کہ میں ہی دیکھنے سے بیزار ہوگئی'' (مسلم)۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ماہِ رمضان کی رحمتوں اور برکتوں سے خوب فیضیاب کرے اور اسے ہمارے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنائے (آمین)۔

☆.....☆.....☆

سوزِ دروں

شاہدہ اکرام

یادوں کی منڈیر پر
گرتے پتوں کے موسم میں
آس کے دیپ جلائے، دُور افق پر نظر جمائے
وہ یاد رفتہ میں گم ہے
ذہن کے پردے پر
روشن صبح کا منظر
کتنا سہانا ہے، بہت مستانہ ہے
جس کے جلو میں
برسات کی رتوں کے درمیاں
قوس وقزح کے سات رنگوں میں
باغوں میں جھولا جھولتی، قہقہے لگاتی
سروں میں گاتی، کھلتی جوانیاں
روشن آنکھوں میں لمبی عمر کے دیپ جلائے
شرمیلی پلکوں پر سنہرے خواب سجائے

ماؤں کی گود میں، سر رکھے کھنکتی ہنسی ہنستے
دُور تک لہراتے، خوشبو میں بسے
رنگ بھرے آنچلوں میں لپٹی
خوابوں کے شہزادوں کی منتظر
پیار کی انوکھی بہار میں، مسکراتے شباب
مہکتے گلستان کے اندر
آرزوؤں کے اونچے لمبے پیڑوں پر، پینگیں ڈالے
آنے والے دنوں کی، خوشیوں میں گم
رنگ برنگی تتلیوں کی اُڑان کا منظر
کتنا سہانا ہے، عجب مستانہ ہے
یادوں کی اس منڈیر پر
گرتے پتوں، پھوٹتی کونپلوں کے
سرد، خشک اور اداس موسم میں
تنہا بیٹھی وہ پوچھتی ہے
کہ موسمِ بہار کی آمد آمد میں
کھلتے گلستان کا حسن مات کرنیوالی
ان ست رنگی تتلیوں کی عمر
اتنی مختصر ہاں! اتنی مختصر
کیوں لکھ دی جاتی ہے!

☆.....☆.....☆

محشرِ خیال

ڈاکٹر فلزہ آفاق۔لاہور

ماہنامہ بتول، آج کی تیز رفتار دنیا میں بہار کے جھونکے کی مانند ہے۔دن بدن اسکے معیار میں اضافہ ہوتا محسوس ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ سب کی مساعی کو قبول فرمائیں (آمین)۔موجودہ دور کے حقیقی مسائل اور فتنوں کو، کبھی افسانہ، کبھی مضمون، کبھی ناول کی صورت میں سامنے لا کر ان پر غور کرنے کی دعوت ملتی ہے۔مگر بہت سے لوگ اس سے ناآشنا ہیں۔جن تک بات نہیں پہنچی، جو ڈھونڈ رہے ہیں، ناواقف ہیں ان تک اسے پہنچانا بتول کے تمام قارئین کی ذمہ داری ہے ہم اور تحفے بھی تو دیتے ہیں کیوں نہ بتول تحفے میں لگوا دیں۔اپنے ہر حلقہ اثر میں اس کو متعارف کروا دیں تا کہ ہمارے لئے یہ عمل صدقہ جاریہ بن سکے۔

حریمِ ادب کی محفلوں کی رپورٹ پڑھ کر ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ کبھی ایسی محفلوں میں شرکت کا موقع مل سکے اور اپنی لکھاری بہنوں سے ملاقات ہو سکے۔اگر ممکن ہو تو کسی عمومی محفل سے پہلے اس کی اطلاع بتول میں دے دیا کیجئے۔

اس کے ساتھ بتول کی قارئین بہنوں سے درخواست کروں گی کہ ہر انسان اپنی زندگی میں کچھ نہ کچھ سیکھ رہا ہوتا ہے، اپنے حالات، ماحول، تجربے، دیگر ذرائع سے اور بعض اوقات کسی ایسے مسئلے کا حل ہمیں معلوم ہوتا ہے جس کی ہم تلاش میں تھے اور بہت سی دوسری بہنیں بھی ایسا چاہتی ہیں۔تو کیوں نہ ہم ایسی چھوٹی چھوٹی اچھی باتیں بتول میں بھیج دیا کریں مثلاً بتول میگزین میں ہو سکتا ہے ہماری چھوٹی سی بات کسی کی زندگی کے بڑے مسئلے کو حل کرنے میں مدد دے سکے اور اس طرح دوسروں کی دعائیں ہمارے لئے زادِراہ اور توشہِ آخرت بن سکیں۔ (آمین)

☆.....☆.....☆

سیدہ فاطمہ گیلانی۔ساہیوال

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی نعمت کو دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہو تو دل چاہتا ہے کہ خوشی اور راحت میں دوسروں کو بھی شریک کیا جائے زندگی کی بے شمار نعمتوں میں سے بتول ہے، الحمدللہ! اور کیوں نہ ہو، اس کے ماخذ وہ دو علمی خزانے ہیں جن میں سے ایک الہامی ہے اور دوسرا پیغمبرانہ۔کمال لکھنے والوں کا یہ ہے کہ وہ ان اعلیٰ ماخذ میں سے مواد لے کر اس کو عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق ناپ تول کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو صراطِ مستقیم پر چلنا آسان ہو جاتا ہے۔مثلاً بتول میگزین کی چھوٹی تحریروں کو لے لیجئے، سب ہی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں لیکن شہزادی ام صائم کی تحریر اختلاف رائے میں بہت اہم موضوع پر روشنی ڈالی گئی ہے ساری تحریر ہی بڑی جاندار ہے مگر ایک دو جملے تو سنہری حروف میں لکھنے کے لائق ہیں۔ماخذ وہی الہامی علم ہے ان **مع العسر یسرا** مشکل کے بعد آسانی ہے اگر کوئی رکاوٹ آ گئی تو اسے عبور کرو یا سائیڈ سے گزر جاؤ بیٹھ کر اس بند دروازے کو کھٹکھٹاتے نہ رہو۔کسی بند دروازے سے اور نہ ہی کسی کی مخالفت سے گھبرانا چاہیے اور یہ حل بھی درست نہیں کہ ہم کسی کو روند کر گزر جائیں اور نہ ایسی کمزوری ثابت کریں کہ کوئی دوسرا ہمیں روند کر گزر جائے بلکہ مخالفت کو ہمیشہ حق میں بہتر سمجھیں وہ آپ کو کامیابی کی طرف لے جائے گی۔ہمارا رویہ حکیمانہ ہونا چاہیے۔اسی میں ہماری کامیابی ہے۔

نویرہ انور نے حسن وخوبی سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ امت کا درد پالنا ہمارا فرض ہے۔لکھنے والوں کو خدائے تعالیٰ جزائے خیر سے نوازیں آمین کراچی سے بہن افشاں نوید نے جن خوبصورت الفاظ میں اپنی ان عزیز بہنوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے اپریل کے

شمارے میں میرے پاس ان سے زیادہ خوبصورت اور باوقار الفاظ نہیں ہیں۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گی کہ اس کی تحریریں ایسی جاندار اور موثر ہوتی ہیں کہ انسان پورا مہینہ ان مثالوں سے فائدہ اٹھا کر دوسروں کو بآسانی بات سمجھا سکتا ہے۔

بھائی زبیر منصوری صاحب کا خاص مضمون واقعی خاص الخاص ہے۔ انہوں نے عظیم ماں کو جو خراج تحسین پیش کیا، وہ ہم جیسی کتنی ہی چاہنے والی اولادوں کی تشنگی دور کرنے کا سبب بنا ہوگا۔ بنو ہاشم کا شعب ابی طالب کا دور بہت ہی پرآزمائش اور کٹھن دور تھا۔ اس دور کی تصویر کشی بہت موثر کی گئی ہے۔ بتول میگزین میں کچھ بہنوں نے گزرے ہوئے سال پر بہترین خیالات کا اظہار کیا۔ پڑھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ گزرا ہوا وقت لکھوں۔ بیتی ہوئی زندگی لکھوں۔ ایسا لگتا ہے کہ صدیاں بیت گئی ہیں۔ دنیا میں آئے ہوئے کتنے دور گزر گئے اس مختصر سی زندگی میں کتنے زمانے دیکھ لئے ان آنکھوں نے۔ حالانکہ والدین کی تو شادی بھی پاکستان بننے کے بعد ہوئی تھی۔ لیکن وقت اتنی تیزی سے گزرتا رہا کہ لگتا ہے ہزاروں سال کی تاریخ ہماری زندگی کے اندر سے گزر گئی ہے۔ کتنی حکومتیں بدل گئیں، کتنے حادثات ہوئے، خود اپنی زندگیوں میں کتنے انقلاب آئے خاندان کے بزرگوں سے لے کر بچوں تک کتنی نسلوں سے رابطہ اور مشاہدہ رہا کیسے کیسے اتار چڑھاؤ دیکھے، کیسے کیسے بردبار متحمل بزرگ دیکھے، کیسے کیسے بے وقوف اور سادہ لوح لوگوں سے واسطہ پڑا۔ یہ بھی وقت کا کمال ہے کہ ایسے ایسے لائق لوگ منظر عام پر آئے جن کا ایک ایک لفظ ہمارے لئے آبِ حیات ہے۔ وقت کی قسم میرے اللہ نے یونہی تو نہیں اٹھائی۔

☆.....☆.....☆

فریدہ خالد۔لندن

یہاں آتے ہی میں نے کوشش کی کہ بتول کو آن لائن پڑھوں۔ کیونکہ اگست کا بتول میں اپنے ساتھ ہی لیتی آئی تھی۔ اس میں نازیہ کی کہانی تھی اور میں نے اسے سنانی تھی۔ ستمبر آتے ہی میں نے روزانہ ویب سائٹ پر دیکھنا شروع کر دیا تاکہ بتول پڑھ سکوں مگر کافی دنوں تک جون کے بعد کا بتول نظر نہ آیا۔ آخر صبر کر کے رہ گئی اور اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ اچانک کچھ دن پہلے یوں ہی ویب سائٹ چیک کی اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب بتول کے وہ تمام میگزین جواب تک نہ پڑھ سکی تھی اپنی آب وتاب کے ساتھ میرے پڑھنے کے منتظر تھے۔ خیر انہیں پڑھ کر تبصرہ پھر بعد میں کروں گی مگر اس وقت تو بتول کی تمام ٹیم اور ان سب لوگوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جن کی کاوشوں کی بدولت میں بتول پڑھ سکوں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے اور بتول اسی طرح قرآن وسنت کا پیغام دنیا بھر میں پھیلاتا رہے۔ آمین۔

زندگی خوش اسلوبی سے گزارنا ہماری گھریلو زندگی کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے، جس کے لیے یہ کتاب بہت مفید ہے

زندگی کا سلیقہ

مصنف: ابن فرید

قیمت: 150 روپے (نیا ایڈیشن)

آج ہی اپنے آرڈر سے مطلع فرمائیں

قرآن و حدیث کی روشنی میں نئے علوم سے استفادہ کرتے ہوئے جدید مسائل کو سلجھانے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔

ہم کیسے رہیں

نیا ایڈیشن شائع ہوگیا ہے

از: ابن فرید

قیمت -/140 روپے

آج ہی اپنے آرڈر سے مطلع کریں

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

خود احتسابی کا موسم

دنیا میں عموماً چار موسم پائے جاتے ہیں۔ سردی، گرمی، خزاں، بہار۔ ہر موسم کا اپنا لطف اور اہمیت ہے۔ انسانی زندگی کے بھی چار موسم ہیں۔ بچپن، لڑکپن، جوانی اور بڑھاپا۔ ہر انسان پہ یہ موسم ایک بار ہی آتے ہیں اگر چہ زندگی بہار وخزاں، سردی، گرمی کے الٹ پھیر پہ چلتی رہتی ہے۔

مومن کی بہار ایمان کی کیفیت کے ساتھ مشروط ہے اور ایمانی کیفیت کی بہار کا موسم رمضان کا مہینہ ہے اور اس کو خود احتسابی کا مہینہ بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن پاک کی شکل میں ایک ایسا سانچہ دے دیا گیا ہے جس کو سامنے رکھ کر اپنے اعمال کا احتساب کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ یہ اعمال دراصل اس شجر طیبہ کے پھلوں کا جائزہ لینا ہے جس کے بیج گزشتہ سال دل میں بوئے گئے تھے اور پورا سال ان کی آبیاری کی گئی تھی۔ ''نیکیوں کا موسم بہار''..... بہار میں ہر پھول اپنے جوبن پر ہوتا ہے اور وہی باغ ہرا بھرا ہوتا ہے جس کی حفاظت کی گئی ہو۔ پھل دیکھ کر ہی مالی اندازہ لگاتا ہے کہ باغ پہ کتنی محنت کی گئی تھی..... رمضان المبارک میں مومن اپنا جائزہ لیتا ہے کہ وہ قاری کی شکل میں قرآن نظر آرہا ہے یا نہیں؟ ''تقویٰ'' جو کہ جنت میں داخلے کا ٹکٹ ہے، اس موسم میں سستے داموں دستیاب ہے۔ جنت کے سب دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ ٹکٹ کا بندوبست کرنا ہے۔ ''ٹکٹ کنفرم'' کرانی ہے۔ کمالِ تقویٰ کی طرف اپنی راہ متعین کرنی ہے۔ کمالِ تقویٰ کیسے پیدا ہو؟ آیئے شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی کے مکتوبات کو مشعل راہ بناتے ہیں۔ اس رمضان میں یہ سارے عمل ان کیلئے ہماری طرف سے صدقہ جاریہ ہوں گے۔ بزرگانِ دین کے علم کو چراغ بنا کر ہم ثواب دارین حاصل کر سکتے ہیں اور ہمارے اوپر جو بزرگانِ دین کا حق ہے وہ بھی ادا کر سکتے ہیں۔

دنیا کیا ہے؟: ہر وہ شے یا معروفیت جو تم کو اللہ کی یاد سے غافل کر دے وہ انسان کے حق میں بلائے جان ہے۔ دنیا والے جب تک دنیا میں مگن ہیں پریشان ہیں۔ مرنے کے بعد بھی وہ حسرت وندامت میں مبتلا رہیں گے۔

ذکر الٰہی کا مفہوم: جو عمل شریعت کے مطابق ہے وہ ذکر الٰہی میں شامل ہے چاہے وہ خرید وفروخت ہی کیوں نہ ہو۔

تقویٰ کی حقیقت: جب تک بندہ اپنے اوپر ان دس باتوں کو لازم نہ کرلے تقویٰ کا کمال پیدا نہیں ہوسکتا۔

۱۔ ہمیشہ سچ بولے۔

۲۔ بدگمانی سے دور رہے۔

۳۔ زبان کو غیبت سے بچائے۔

۴۔ لوگوں سے بے ہودہ پن نہ کرے (بے تکلفی میں تضحیک یا نازیبا الفاظ استعمال کرنے کا رواج جیسا کہ آجکل پایا جاتا ہے۔)

۵۔ حرام سے بچے (وہ غذا ہو، اعمال، کلام یا افکار)

۶۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد رکھے اور ان کا اعتراف کرتا رہے۔ (تنہائی میں بھی اور محفل میں بھی)

۷۔ مال کم ہو یا زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت ڈالے۔

۸۔ اپنی بڑائی کا طلب گار نہ ہو۔

۹۔ نمازوں کی حفاظت کرے۔

۱۰۔ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ قائم رہے۔

اس بار نیکیوں کے موسم بہار میں جائزہ لینا ہے کہ ان پودوں کی نشوونما کیسی رہی؟ اور جنت میں داخلے کا ٹکٹ اس سال کنفرم ہونے کی امید ہے یا نہیں؟ مبارک ہیں وہ مومن جو اس موسم بہار میں اپنے من میں ایمان وعمل صالح کی بہار دیکھ رہے ہوں گے، اور اپنے باغ کی نقصان دہ خودرو گھاس، جڑی بوٹیوں، کانٹوں سے حفاظت میں مگن رہے ہوں گے، وسوسے نفس کا شر، بشری کمزوریوں کی آڑ میں شیطانی زہریلے افکار کی جھاڑیاں، انا کے کانٹے، اعمال صالحہ کے باغ کی آبیاری میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ ان کو مسلسل، بروقت، مہارت کے ساتھ ختم کرنا ہی ثمر پانا ہے۔

☆.....☆.....☆